لکھنؤ

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

دو دنیائیں

دونوں دنیائیں اسی کرہ پر واقع ہیں۔ ایک دوسرے کی معاصر، ایک دوسرے کی ہمسایہ، لیکن دونوں ایک دوسرے سے بیگانہ، ایک دوسرے سے ناآشنا، ایک دوسرے سے متضاد، ایک دوسرے سے بے نیاز، ہر ایک دوسرے سے روٹھی ہوئی، چھوٹی ہوئی، ہر ایک دوسرے سے اتنی مختلف کہ ایک انسان کی دو بستیاں نہیں معلوم ہوتیں، الگ الگ انسانوں کے مسکن اور دو جداگانہ تہذیبوں کے مرکز معلوم ہوتے ہیں، ان کے جسموں کا باہمی فاصلہ بہت مختصر، لیکن ان کے ذہنوں اور ان کی روحوں کا فاصلہ ناقابل قیاس اور ناقابل پیمائش، ایک میں ایمان وعقیدہ، امن وسکون، اطمینان واعتماد، قناعت واستغناء محبت والفت، انسانیت کے لطافت، زندگی کی حرارت، قلب کا گداز، روح کا سوز وساز، زندگی کے کارواں کی نرم روی وسبک گامی، جرس حیات کی شیریں نوائی وسامعہ نوازی، فطرت کی سادگی اور اس کا حسن، خالق ومخلوق دونوں سے مخلصانہ ارتباط، جسم وروح کا صحیح اتحاد۔

دوسری جگہ بے یقینی وناامیدی، معاشرہ کا اضطراب وانتشار، اغراض ومفادات کا تصادم، سیاسی جماعتوں کی رقابتیں، طبقات کی کشمکش، جنگ کے مہیب بادل، بے اعتمادی وبدگمانی کی تاریک فضا، حصول دولت اور ترقی وتوسیع تجارت کا جنون، ایک نہ بجھنے والی پیاس، ایک نہ مٹنے والی بھوک، جمادات کی سی بے حسی وبے ضمیری، مشینوں کی بے دردی وبے نوری، قلب وروح کی موت، انسانیت کا زوال، قافلۂ حیات کی تیز رفتاری وہنگامہ خیزی، صورت زندگی کی بلند آہنگی، اور قیامت خیزی، زندگی کی اصل لذت اور انسانیت کی حقیقی لطافت کا فقدان، خالق ومخلوق دونوں سے غرضمندانہ اور سطحی تعلق، روح وجسم کی کشمکش۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

(از: طوفان سے ساحل تک ص ۹)

فی شمارہ ۶/روپے

سالانہ ۱۳۰/روپے

۱۰/مارچ ۲۰۰۱ء

Regd. No.LW/ NP/ 63

Fax No. : (0522)330020

FORTNIGTLY

N.R.I.No- UPURD 03615/24/1/2000-Tc

Guest Haous : 323864

TAMEER-E-HAYAT

NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226007 (India)

Rs.6/- Vol.I No.1

هوالشافي

روز آنہ سپر جاپانی کمپیوٹر

کے ذریعے آنکھوں کی جانچ، پاور دھوپ کے فینسی چشموں کا ایک خاص مرکز

ایک بار خدمت کا موقع دیں

AUTO REFRCCTO METER AR-860

فوٹو کرامک ☆ کوٹیڈ لینس ☆ ہائی انڈیکس ریزی لینس فینسی پاور دھوپ کے چشموں کا وسیع اسٹک موجود ہے

چشمہ گھر

مہاجنی ٹولہ ڈاکخانہ روڈ، سرائے میر اعظم گڑھ

60082 ☎ آپٹیشن ایچ. رحمن

Ph.No 260433 - 242946

آپ کی خدمت میں جدید دلکش سونے چاندی کے زیورات کے لئے

ہمارا نیا شوروم

گھنہ پیلس

حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد فہیم خاں محمد معروف خاں

ایک منارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ چوک لکھنؤ

ھردینا

گردہ کی پتھری کے لئے

آپریشن کی ضرورت نہیں

HASANI PHARMACY

117/41 . Gwyno Road,

Lucknow - 226018, Ph. 202677

حسنی فارمیسی کی ایجنسی کے لئے رابطہ قائم کریں

AFZALS MAU CITY

مئو کا بنا

نورانی تیل

انڈین کیمیکل کمپنی، مئوناتھ بھنجن (یو.پی)

چشمہ ساگر

جاپانی کمپیوٹر کے ذریعہ آنکھوں کی جانچ ہوتی ہے

AUTO REFRCCTO METER AR-860

فوٹو کرامک ☆ کوٹیڈ لینس ☆ ہائی انڈیکس ریزی لینس فینسی پاور دھوپ کے چشموں کا خاص مقام

ایک بار خدمت کا موقع دیں

آپٹیشن ایچ. رحمن (علیگ)

شنکر جی کی مورتی کے نزدیک مہتر گنج، اعظم گڑھ

Printed And Published by Athar Husain on behalf of Majlis Sahafat-Wa-Nashriat, Nadwatul Ulama at Parekh offset Press, Tagore Marg, Lucknow - U. P.

Editor : Shamsul Haq Nadwi

پندرہ روزہ
تعمیر حیات
لکھنؤ
مجلس صحافت ونشریات دارالعلوم ندوۃ العلماء
جلد نمبر ۳۸ | ۱۰ر مارچ ۲۰۰۱ء ...... مطابق ...... ۱۴ر ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ | شمارہ نمبر ۹

نگران اعلیٰ
مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی
معتمد تعلیمات دارالعلوم ندوۃ العلماء
مدیر اعلیٰ
شمس الحق ندوی
مدیر معاون
سید محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت
مولانا نذر الحفیظ ندوی
مولانا عبداللہ حسنی ندوی
مولانا محمد خالد ندوی
ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

زرتعاون
سالانہ ---- =/۱۳۰ روپے
فی شمارہ ---------- =/۶ روپے
بیرونی ممالک فضائی ڈاک
ایشیائی، یورپی، افریقی
وامریکی ممالک ...... ۳۰ ڈالر
بیرونی ممالک بحری ڈاک
بحری ڈاک جملہ ...... ۱۵ ڈالر
☆☆☆

نیچے بنے دائرہ میں سُرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین وادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ =/130 روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں
منیجر

گذارش
خط کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام وپتہ ضرور لکھیں خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے
(منیجر)

خط وکتابت کا پتہ
منیجر تعمیر حیات پوسٹ باکس نمبر ۹۳ ندوۃ العلماء، لکھنؤ (۲۲۶۰۰۷) یوپی
ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت ونشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں۔

پرنٹر پبلیشر اطہر حسین نے پارکھ آفسٹ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

حامد خوشنویس۔ کمپیوٹر سیکشن مجلس تحقیقات ونشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ

اندھیرے میں امید کی روشنی

● حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

۲۶ر جولائی ۱۹۶۴ء میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے بمبئی کے عمائدین اور چیدہ مجمع کے سامنے گفتگو کے انداز میں کچھ ہدایات فرمائیں، جو ہندوستانی مسلمانوں کے لئے چشم کشا نصائح کا درجہ رکھتی ہیں۔

آج کل سب سے زیادہ ہماری مجلسوں میں جس موضوع پر گفتگو ہوتی ہے وہ موضوع ہندوستان کے موجودہ حالات ہیں جہاں چار مسلمان بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں، وہاں ضرور اس موضوع پر گفتگو ہوتی ہے اور یہ بالکل قدرتی بات ہے۔ اپنے حالات کا احساس، حالات کا جائزہ، اس پر تبصرہ اور تذکرہ اس پر اظہار خیال، یہ زندگی کی علامت ہے۔ اور کوئی زندہ انسان بھی اس سے خالی نہیں رہ سکتا۔ لیکن ان حالات سے دو نتیجے نکالے جاسکتے ہیں۔ ایک نتیجہ تو مایوسی، دل شکستگی اور کوئی ایسی صورت اختیار کرنا کہ جس سے آدمی ان حالات سے بالکل ہی نجات پا جائے کسی قسم کی کوئی تشویش اور کوئی بات باقی ہی نہ رہ جائے اس کیلئے آسان راستہ یہ سمجھا جاتا ہے، کہ یہ ملک چھوڑ کر کسی دوسرے ملک میں آباد ہو جائیں۔

یہ ایک نتیجہ ہے جو کمزور طبیعتیں نکالا کرتی ہیں اور خاص طور پر وہ طبیعتیں جو یہ سمجھتی ہیں کہ حالات اور واقعات کی ڈوری گویا ہمارے ہی ہاتھ میں ہے، یا ہمارے جیسے کسی دوسرے انسان کے ہاتھ میں ہے لیکن یہ نتیجہ مسلمانوں کے ذہن سے مسلمانوں کے ایمان ویقین سے، اس کی ذہنی تربیت سے بہت بعید ہے۔ اگر ہم یہ جان لیں کہ حالات کی ڈوری ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ کسی اور کے ہاتھ میں ہے اور اس کے کچھ آئین ہیں اس کی طرف سے کچھ اعلانات ہیں، کچھ تعلیمات ہیں کچھ وعدے ہیں، کچھ شرطیں ہیں، کچھ قوانین ہیں اور کچھ اس کی سنتیں ہیں تو پھر اس مایوسی اور پریشانی کی اور یہ جو ذہنیت ہے فرار کی، حالات کے سامنے سپر ڈال دینے کی یا جہاں یہ حالات پیش آرہے ہیں وہ جگہ چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلے جانے کی یہ سب ذہنیتیں باقی نہیں رہ سکتیں۔

اسی طرح ہندوستان کے موجودہ حالات میں پہلی بات تو مجھے یہ کہنی ہے کہ یہاں کے حالات سے بھی دونوں نتیجے نکالے جاسکتے ہیں ایک نتیجہ تو وہ ہے جو قرین قیاس ہے عقل وذہانت کا فیصلہ ہے کہ ہندوستان میں ہمارا کوئی مستقبل نہیں، ہر جگہ فسادات ہوں گے، قتل عام ہوگا خوں ریزی کا بازار گرم ہوگا۔ کارخانے لوٹے جائیں گے مسلمانوں کی عزت وناموس پامال ہوں گے۔ اور اس ملک میں یا تو شودر بن جائیں گے، یا خدانخواستہ ارتداد اختیار کرلیں گے، ایک نتیجہ تو یہ ہے۔ لیکن یہ نتیجہ ہے ان ذہنوں کی پیداوار اور خاصہ، جن کی ذہانت صرف واقعات اور حالات تک محدود ہے۔ ایک اور نتیجہ یہ ہے کہ ہم ہندوستان میں ایک خاص کام سے بھیجے گئے ہیں، ہمارے ذمہ ایک خاص پیغام ہے، ایک اہم سپرد کی گئی ہے۔ اس مہم کی تکمیل کرنی ہے اور کسی ایک زمانے میں اس مہم کی تکمیل کافی بھی نہیں ہے۔ جب تک انسان اس ملک میں ہے یہ مہم بھی باقی ہے۔ ہمیں اس ملک میں اللہ کے دین کی طرف لوگوں کو بلانا ہے، ہمیں آخرت کی یاد تازہ کرنی ہے ہمیں بتانا ہے کہ کھانے پینے کے علاوہ بھی کچھ مقاصد اور کچھ حقائق ہیں، ہمیں بتانا ہے کہ کوئی ہے جو یہاں کا نظم ونسق چلا رہا ہے ہم جانوروں کی طرح پیٹ پالنے اور زندگی کے دن پورے کرنے کیلئے نہیں آئے ہیں، بندگی کیلئے آئے ہیں، یہ کام ہر زمانے میں رہے گا۔ اور ابھی تک کوئی قوم اور کوئی نسل ایسی پیدا ابھی نہیں ہوئی جو ہم سے یہ چارج لے لے۔ تو ہمارے ہی اوپر یہ سب کام منحصر ہیں اور بُرا بھلا ہم ہی کو یہ خدمت انجام دینا ہے۔ یہ رحمت خداوندی اور حکمت الٰہی کے خلاف ہے کہ ہمارا یہاں سے بالکل خاتمہ کر دیا جائے۔

مٹ نہیں سکتا کبھی مردِ مسلماں کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سرِّ کلیم وخلیل

یعنی اس کی اذانیں حضرت ابراہیم علیہ السلام

(باقی ص ۲۹ پر)

اس شمارے میں

١	اندھیرے میں روشنی کی کرن	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	٢
٢	ہندوستانی سلمانوں کا خمیر۔۔ (اداریہ)	شمس الحق ندوی	٥
٣	فلسطین کا قضیہ	مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	٧
٤	اقبال کے کلام میں قرآنی تلمیحات کی ندرت	محمد بدیع الزماں (پٹنہ)	١٠
٥	ایک قدیم ندوی محمد شبیر صاحب کی وفات	مولانا عبداللہ عباس ندوی	١٣
٦	اسلامی کیلنڈر کا نقطۂ آغاز	ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی	١٤
٧	دعوت و تبلیغ کی راہ میں (نظم)	ڈاکٹر محبوب راہی	١٥
٨	شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے	مولانا نذر الحفیظ ندوی	١٦
٩	چند دن نبی رحمتؐ کے ساتھ	مولانا عبداللہ عباس ندویؒ	٢٠
١٠	ماہ محرم کی حقیقت	عاتکہ ہاشم	٢١
١١	سوال و جواب	محمد طارق ندوی	٢٣
١٢	حیدرآباد میں دو علمی تقریبات	نمائندہ تعمیر حیات	٢٤
١٣	محمد زبیر بھٹکلی کا انتقال	عبدالعلیم بھٹکلی	٢٧
١٤	مطالعہ کی میز پر	محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی	٢٨
١٥	عالمی خبریں	سعید اشرف ندوی	٣٠
١٦	جب کینیڈین لڑکی کا دل ایمان سے سرشار ہوگیا	مسعود حسن حسنی	٣١

شرائط ایجنسی

١۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
٢۔ فی کاپی Rs. 15/= کے حساب سے زر ضمانت روانہ کرنا ضروری ہے۔
٣۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

١۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر اندرونی صفحہ Rs. 30/=
٢۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر پشت پر رنگین صفحہ Rs. 40/=
٣۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
٤۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔
٥۔ انٹرنیٹ اور تعمیر حیات دونوں کا نرخ اشتہار فی کالم سنٹی میٹر =/٥٥

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ	Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb. P.O. Box No. 842, Madina Munawwara (K.S.A.)
برطانیہ	Mr. M. AKRAM NADWI O.C.I.S., St. Cross College, Oxford Ox1 3TU-U.K.
ساؤتھ افریقہ	Mr. M. YAHYA SALLO NADWI Sb. P.O. Box 388, Vereninging, (S. Africa)
قطر	Mr. ABDUL HAI NADWI Sb. P.O. Box No. 10894, DOHA-QATAR
دبئی	Mr. QARI ABDUL HAMEED NADWI Sb. P.O. Box No. 12525, DUBAI (U.A.E.) P-H-NO: – 3970927
پاکستان	Mr. ATAULLAH Sb. Sector A-50, Near sau Quater H. No. 109, Town Ship Kaurangi, KARACHI-31 (Pakistan)
امریکہ	Dr. A. M. SIDDQI Sb. 98-Conklin Ave. Woodmere NEW YORK 11598 (U.S.A.)

Internet Web-site: http://nadwa.virtualave.ne.
e-mail address: airp@lw1.vsnl.net.in

اداریہ

ہندوستانی مسلمانوں کا خمیر.....

شمس الحق ندوی

ہمارے ملک میں ہندو مسلم کشمکش اور ایک دوسرے سے بدگمانی کا ماحول عرصہ سے پایا جارہا ہے اس کے متعدد اسباب ہیں جن کے ازالہ کی کوشش نہیں کی گئی۔ ایک غلط فہمی جو عام غیر مسلموں کے ذہن میں پیدا کی گئی جو ان کو کھٹکتی رہتی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان باہر سے آگئے اور ان کو ہندوستان سے وہ قلبی لگاؤ نہیں ہے جو اصل باشندوں کو ہوتا ہے مسلمانوں نے اس ملک کی مختلف جہتوں سے جو خدمت کی ہے وہ تاریخ کا مستقل باب ہے مسلمانوں نے اس ملک میں حق و صداقت، عدل و انصاف، اخوت و مساوات، پیار و محبت کی قندیلیں روشن کیں اور ان سب کا سرچشمہ توحید و رسالت کا پیغام ہے ان کے فرمانروا اگر ملک کے نظم و نسق، اقتصادیات و معاشیات کو فروغ دیتے رہے۔ تو ان کے علماء علوم و فنون کے دریا بہاتے رہے۔ صوفیا اور اہل خانقاہ اپنی خوش گفتاری و شیریں کلامی سے دلوں کو اس طرح موہتے رہے کہ ان کو اپنی زندگی کے پہلے طور طریق سے عار معلوم ہوتا۔ اور وہ ان قدروں کو سینے سے لگاتے جو انہیں انسانیت کا سبق پڑھاتیں اور ان کو شرف و بلندی کا تاج عطا کرتیں، زیادہ واضح الفاظ میں یہ کہ وہ اسلام کے ہو رہتے اس وقت ہندوستان میں جو مسلمان موجود ہیں ان میں اکثر باہر سے آئے ہوئے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ ہندوستانی ہیں اور ان کے بزرگوں نے اسلام کی صاف ستھری تعلیمات کو دیکھ کر اپنی پچھلی خرافات کا قلادہ اتار پھینکا تھا۔ اور اسلام کا خوبصورت ہار اپنے گلے میں ڈال لیا تھا۔ لہٰذا یہ تصور دینا کہ یہ باہر سے آکر قابض ہو گئے ہیں۔ انتہائی غلط اور محض تعصب پر مبنی ہے ان کا خمیر اسی ملک کی مٹی سے بنا ہے اور وہ اس کے باسی اور معمار ہیں۔ ہاں مرور زمانہ کے ساتھ ان مسلمانوں سے عوامی سطح پر یہ زبردست غلطی ہوئی کہ انھوں نے اسلام کی جن تعلیمات کو اپنایا اور گلے لگایا تھا، محنت و توجہ کے ساتھ اپنے دوسرے بھائیوں کو اس سے روشناس نہیں کرایا اس کی حقیقت ان کو نہیں سمجھائی اور اسلام کی جیتی جاگتی تصویر اپنے عمل و کردار سے نہیں پیش کی جس کے نتیجہ میں ہمارے ہندو بھائیوں کے ذہن پر یہی اثر قائم رہا کہ یہ باہر کے لوگ ہیں جو ہمارے ملک پر قابض ہیں ان کے اس خیال کو بعض ان ناخوشگوار واقعات سے بھی تقویت ہوئی جو بعض بادشاہوں اور فاتحین کی وجہ سے پیش آئے۔ اور ان میں اسلامی قدروں کا مظاہرہ نہیں ہوسکا جس سے فائدہ اٹھا کر انگریزوں نے ایسی تاریخ مرتب کرائی جس میں ایسے گڑھے ہوئے واقعات بھر دیئے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کشیدگی کو بڑھاوا دے کر انگریزوں کو حکومت کرنے کا موقع فراہم کرتے رہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ "ہر حکومت کی تاریخ میں اچھے برے، منصفانہ اور ظالمانہ دونوں قسم کے واقعات ملتے ہیں اس کلیہ سے ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت بھی خالی نہیں۔ مگر ملک کی بھلائی اس میں نہیں ہے کہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر مسلمانوں کی حکومت کی کچھ واقعی برائیاں اور کچھ گڑھ گڑھ کر مفروضہ افسانے یکجا کئے جائیں، اور وہ انجمنوں کے جلسوں تماشہ کے ناٹکوں میں اس طرح بار بار دہرائے جائیں کہ وہ بچہ بچہ کی زبان پر چڑھ جائیں اور دونوں قوموں کے درمیان غیر مختتم تلخی اور بدگمانی و ناگواری اور عداوت راسخ ہو جائے" ہمارے ہندو بھائی انگریزوں کی سازش کے بری طرح شکار ہوئے اور ان کا مسلمانوں کے بارے میں یہ ذہن بن گیا کہ یہ لوگ صرف گوشت خور اور خونخوار ہوتے ہیں ہم اپنے پڑھے لکھے انصاف پسند اہل قلم سے گذارش کرتے ہیں کہ تاریخ کے واقعات اور اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کی رواداری اور وسعت قلبی کے واقعات کو نمایاں کریں تاکہ نفسیاتی خلیج کو پاٹا جاسکے اور تمام

اہل ملک مل جل کر ملک کی بھلائی اور اہل ملک کے ساتھ محبت و بھائی چارگی کا جذبہ پیدا کریں اور ہر فرقہ کے لوگ اپنے اپنے مذہب پر اس طرح عمل کریں کہ ایک دوسرے کی دل آزاری نہ ہو، ہمارے ملک میں مختلف مذاہب کے ماننے والے سیکڑوں سال سے ایک ساتھ رہتے آئے ہیں، آزادی کے بعد ہمارے ملک کے سیکولر قانون نے بھی کسی کے مذہبی معاملات میں دخل اندازی کی اجازت نہیں دی ہے لہٰذا ایک دوسرے کو چھیڑنے اور اشتعال پیدا کرنے کی فضا کو ختم کرنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیئے۔

ہم اپنے مسلمان بھائیوں سے اس حقیقت کے اظہار میں تکلف نہ کریں گے کہ ہم نے اپنے غیر مسلم بھائیوں سے اپنا صحیح تعارف نہیں کرایا۔ ہم نے سماج و سوسائٹی میں اپنی اس امتیازی شان کا مظاہرہ نہیں کیا جو اسلام نے ہم کو عطا کیا ہے، اور جس کو خلفاءِ راشدین نے اپنے دورِ حکومت میں دیگر قوموں کے ساتھ برتا ہے، ان کے حقوق کی حفاظت کی ہے، ان کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کیا ہے، ان کی ہر طرح سے حفاظت کی ہے اور جب کبھی ایسا موقع آیا ہے کہ وہ حفاظت کرنے کے حال میں نہیں تھے، تو انھوں نے جزیہ کی رقم یہ کہہ کر واپس کر دی ہے کہ یہ رقم ہم نے تمہاری حفاظت کیلئے لی تھی اب ہم حفاظت نہیں کر سکتے ہم کو یہاں سے جانا ہے لہٰذا تم اپنی رقم واپس لے لو۔ اس حسن سلوک سے غیر مسلم رو رو کر کہتے تھے، جاؤ خدا تمہیں واپس پھر لائے۔

ہم کو چاہیئے تھا کہ ہم معاملات میں لین دین میں کاروبار تجارت میں، دفتروں اور ساتھ کام کرنے والے برادرانِ وطن کے سامنے اسلامی تعلیم کی سچی تصویر پیش کرتے، جو دھوکہ دہی وعدہ خلافی جھوٹ، کام چوری اور بد معاملگی کی اجازت نہیں دیتی۔ اور دوسروں کے ساتھ اچھے اخلاق، محبت و انسانیت دوستی، دوسروں کے دکھ درد میں کام آنے اور سہارا دینے کی تعلیم دیتی ہے دوسروں کی بہن بیٹیوں کی عزت و آبرو اور جان و مال کی حفاظت ہی نہیں بلکہ اگر وہ پریشان حال ہیں اور بھوکے پیاسے ہیں۔ تو ان کی مدد اور خدمت کی تعلیم دیتی ہے۔

اسلامی تعلیمات کیا ہم کو یہ سبق نہیں دیتیں کہ ہم اپنے پاس پڑوس میں رہنے والے بھائیوں کے ساتھ حسن اخلاق کا مظاہرہ کریں، اور ان کو اپنے عمل سے یہ یقین دلائیں کہ ہمارے گاؤں، محلہ اور شہر میں رہنے والے مسلمان بھائی ہمارے لئے باعث رحمت ہیں ان کے ہوتے ہوئے ان کی قدر و استطاعت میں ہمیں کوئی تکلیف و نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ ان کے ہوتے ہوئے ہماری بہن بیٹیوں کی طرف کوئی غلط نگاہ نہیں اٹھا سکتا، ہم مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ کوئی بھی کمزور پریشان حال ہو، ہم جتنا کچھ کر سکتے ہیں اس کی خدمت کریں چاہے وہ کسی قوم سے تعلق رکھتا ہو۔

اسلام دین فطرت ہے ایک مکمل دین اور مستقل تہذیب ہے اس کی عمارت مکمل ہے اس میں کوئی چیز کم یا زائد نہیں ہے نو مسلم یورپین محمد اسد سیو پولڈ ویس کے الفاظ میں اپنے سامنے ایک ایسی مکمل عمارت دیکھتا ہوں جس کو بہت دقت نظر اور مہارت فن سے بنایا گیا ہے جس کے سارے اجزاء ہم آہنگ اور باہم پیوست ہوں، نہ اس میں کوئی چیز زائد ہو نہ کم ایک توازن و تناسب جس کو دیکھ کر آدمی میں یہ شعور پیدا ہو کہ اسلام کی تعلیمات میں جو کچھ بھی ہے وہ برمحل ہے [1]

---

[1] سید سلیمان ندویؒ [2] طوفان سے ساحل تک

(بقیہ) فلسطین کا قضیہ

حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں وہ سارے عرب ممالک پر مشتمل ہے اگر فوراً نہیں تو بدیر ہی۔ اور اس نے لفظ اسرائیل کی تشریح حسب ذیل کی۔

سعودی عرب	A SAUDIA	A
عراق	IRAQ	I
مصر	EGYPT	E
شام	SYRIA	S
لبنان	LIBNAN	L
ہاشمی مملکت	REINOHACHMI	R

حکومت اسرائیل کے سابق صدر نے طلبہ کے ایک بڑے جلسہ میں دوران تقریر کہا کہ اسرائیل کے موجودہ حدود کو اصلی حدود سمجھنا غلطی ہے، ہم پر فرض ہے کہ اپنی مملکت کے اختیارات اور اپنے ملک کی تجارت کو جاپان سے لے کر اسپین تک وسیع کریں یہودی نوجوانوں کو اس مقصد کے حصول کیلئے پوری تیاری کرنی چاہیئے۔

علم اور ایمان

علم انسان کو انسان بنا دیتا ہے
علم بے مایہ کو سلطان بنا دیتا ہے
علم اللہ جسے دے اسے ایمان بھی دے
ورنہ یہ وہ ہے کہ شیطان بنا دیتا ہے

فلسطین کا قضیہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے بعد ایک مسلمان کو اگر کسی مقام سے محبت ہو سکتی ہے تو وہ سوائے فلسطین کے اور کون مقام ہو سکتا ہے وہاں مسلمانوں کا پہلا قبلہ ہے اور ان تین مسجدوں میں سے ایک ہے کہ جن کے لئے سفر کرنا اور جہاں کی برکات سے مستفید ہونا مسلمانوں کیلئے فخر اور درجات علیا کے حصول کا ذریعہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لا تشد الرحال الا الی ثلاث مساجد مسجد الحرام ومسجدی ھذا والمسجد الاقصیٰ، او کما قال!

انبیاء علیہم السلام کی ایک بڑی تعداد کی تاریخ اسی بیت المقدس سے متعلق ملتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کی پہلی منزل بھی یہی بابرکت جگہ ہے، یہ وہ جگہ ہے جس کیلئے مسلمانوں نے بڑی بڑی قربانیاں دیں غیر مسلم قوموں کے اختیار سے حتی الوسع اس کو دور رکھا، سلطان صلاح الدین کی تاریخ اسی مقام سے متعلق اور اس کے لئے ایثار اور جانبازی سے بنتی ہے۔

ہمارے لئے یہ جگہ نئی نہیں کہ ہم اسکے ساتھ اپنا تعلق بتانے کے محتاج ہوں یا ہم اس سے اس قدر غافل ہوں کہ اس کو سمجھنا چاہیں صدیوں مسلمان حکومتوں کو اس مبارک جگہ کی حفاظت کرنے کا شرف حاصل رہا ہے اور اور یہ بات یقیناً قابل صد افتخار ہے۔

مسلمانوں سے قبل اس جگہ کے دعویدار یہودی، عیسائی رہ چکے ہیں یہاں انھوں نے صدیوں حکومتیں کیں لیکن مسلمان قوم جب دنیا میں آئی تو اس کا آنا ہی گویا اعلان عام تھا کہ اب اللہ کے گھروں کی پاسبان اللہ کے مطیع اور فرمانبردار بندے ہی ہو سکتے ہیں وہ بڑے بڑے باطل پرست ان کیلئے راستہ چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور مسلمانوں نے زمام حکومت سنبھالی اور اس مرکز اسلام کی حفاظت اور پاسبانی کو اپنا وطیرہ بنایا۔ لیکن یہود و نصاریٰ مسلمانوں کی تولیت سے راضی نہ تھے برابر کوشاں رہے کہ ان کے ناپاک قدم پھر اس بابرکت زمین میں پہنچ جائیں، لیکن مسلمان سلاطین نے ان کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ آخری دور میں نصاریٰ مسلمانوں کی شکست سے مایوس اور یہود دنیا میں ذلیل و خوار ہوئے، ادھر عام بے دینی اور الحاد نے جب یورپ کو زیر و زبر کر دیا تو اس کا سیلاب بلاخیز جب جاہ و مال کے سوا ہر شئے کو بہالے گیا اور یہودی قوم اب یورپ میں بھی مقہور و ذلیل سمجھی جانے لگی اور بعض حکومتوں (مثلاً پولینڈ، آسٹریا اور زمانہ قیصریت کا روس) نے تو یہودیوں کے لئے زمین تنگ کر دی، غیر مسلم دنیا میں مسائل اب دینی و مذہبی نہیں رہے بلکہ سیاسی اور مادی مقاصد کے حصول تک محدود رہ گئے ایسے حالات میں بھی جو یہودی فلسطین میں رہتے تھے وہ دوسرے غیر مسلموں کی طرح مسلم حکومتوں کی امان میں آرام و آسائش کی زندگی گذارتے رہے ان کی تعداد پچھلی صدی تک فلسطین میں ۸ ہزار سے زیادہ نہ تھی اتنی تعداد سے جس کا ملک میں کوئی وزن نہیں محسوس کیا جا سکتا تھا مسلمانوں کو دھوکہ ہوا یہ ان کی حسن نیتی تھی کہ وہ دوسری قوموں سے اچھا معاملہ کر کے یہ سمجھتے رہے کہ ان کی طرح دوسری قومیں بھی ان کے حق میں شرافت کا ثبوت دے سکتی ہیں اور یہود بھی احسان شناس ہو سکتے ہیں، بہرحال یہودی جبکہ تمام دنیا میں معیبت و عداوت کا شکار ہو رہے تھے فلسطین میں مسلمانوں کے دامن حکومت میں آرام کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان یہودیوں کیلئے جب یورپ کی زمین تنگ ہونے لگی تو انھوں نے اپنے قومی مسئلہ پر غور کرنا شروع کیا اور اس غور و فکر کا سبب وہ کتاب تھی جو ایک یہودی مصنف ہرتھیودر ہرزل نے ۱۸۹۵ء میں تصنیف کی اور پھر یہ دعوت لے کر کھڑا ہوا۔ کہ دنیا میں ایک ایسی جگہ ہونی چاہیئے جو یہودیوں کا وطن قومی بن سکے۔ اور وہ وہاں امن سے رہ سکیں اور جہاں بھی یہودی ستائے جائیں اس وطن میں منتقل ہو جایا کریں۔ اس مقصد کے لئے اس شخص نے انتھک جد و جہد کی اور کانفرنسوں پر کانفرنسیں کر کے یہودی شعور بیدار کیا اس نے دنیا کی مختلف حکومتوں سے امداد و اعانت کا مطالبہ کیا اور ۱۸۹۷ء سے ۱۹۱۱ء تک دس کانفرنسیں کروائیں۔

پہلی کانفرنس باژل (سوئزرلینڈ) میں ہوئی اس میں جو تجاویز طے کی گئی تھیں ان میں سے چند یہ تھیں (فلسطین میں نوآبادیاتی نظام کا زراعتی صنعتی اور تجارتی کاموں میں اجراء کیا جائے، یہودی عنصر کی تنظیم کی جائے اور ان کے آپس کے روابط مضبوط

کئے جائیں تاکہ وہ مقامی اور عالمی ادارے قائم کر سکیں، قومی شعور پیدا کیا جائے عبرانی زبان کی تعلیم دی جائے۔ مدرسے قائم کئے جائیں اور اقتصادی ترقی کیلئے فنڈ کھولا جائے، مال و سرمایہ مہیا کرکے بڑی بڑی اسکیمیں چلائی جائیں اور صہیونی تحریک کی غرض اس وقت یہ متعین کی گئی تھی کہ یہ فلسطین میں یہودیوں کے قومی وطن کو معرض وجود میں لانے کی کوشش ہے یہ وطن ساری حکومتوں کی طرف سے محفوظ و مامون ہوگا۔ اور عالمی طور پر تسلیم شدہ ہوگا۔ (المسلمون صـ ۲۷۲)

ہرتزل جد و جہد کرتا رہا۔ یہودیوں کی ایک معقول تعداد نے اس کی معاونت بھی کی اس نے سلطان عبدالحمید والیٔ ترکی سے بھی اقامت وطن کے لئے گفتگو کی اور ان کو اچھا خاصہ مادی معاوضہ دینے کا وعدہ کیا۔ لیکن سلطان موصوف سے معاملہ طے نہ ہو سکا اور اسی اثناء میں انگریزوں نے لارڈ کرومر کے ذریعہ جزیرہ نمائے سینا کی پیش کش کی اور ۱۹۰۳ء میں ایک تحقیقاتی وفد جزیرہ نمائے سینا گیا جس نے واپس آکر زمین کی عمرانی صلاحیتوں کے بارے میں مایوس کن رپورٹ پیش کی جس پر یہ تجویز ختم ہوگئی۔

چیمبرلین نے اسی سال مشرقی افریقہ میں ایک وسیع رقبے کی پیش کش کی جس کو ۱۹۰۵ء کی یہودی کانفرنس نے یہ کہکر ٹھکرا دیا کہ بیت المقدس سے اس علاقہ کو کوئی واسطہ نہیں اور ہم بیت المقدس چاہتے ہیں۔ ۱۹۰۴ء میں تھیودر ہرتزل مر گیا۔ اس کے مرنے کے بعد وطن قائم کرنے کی جد و جہد سرد پڑ گئی اور اس میں وہ سابقہ زور اور قوت باقی نہ رہ سکی۔ پہلی جنگ عظیم کے قبل تک ان کوششوں کو صرف ایک آرزو کہا جا سکتا تھا اور فلسطین میں یہودی قوت کو مسلمانوں کے مقابلہ میں ایک نہایت کمزور تناسب کے علاوہ دوسرا درجہ نہیں دیا جا سکتا تھا۔

تھا پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی اور ترکی حکومت نے جو سارے عالم عربی پر حکومت کر رہی تھی جرمنی کا ساتھ دے دیا۔ دونوں ملکوں نے اتحادیوں کے مقابلے میں شکست کھائی۔ اور برطانیہ، فرانس و اٹلی نے سارے عرب کو آپس میں تقسیم کر لیا۔ عرب ممالک میں یہودیوں کے سرپرست برطانیہ کو جب تصرف کرنے کا موقع ملا تو یہودی قوم نے ایک نیا لیڈر اگلا یہ شخص ڈاکٹر حائم ویزمان مانچسٹر یونیورسٹی کا پروفیسر تھا۔ اس نے جنگ کے بعد مہلک ہتھیار ایجاد کرکے برطانیہ کی نظروں میں اپنا مقام بنا لیا تھا۔ اس کا شکریہ برطانیہ کو بہرحال ادا کرنا تھا، اور بالآخر ۱۹۱۷ء میں برطانی وزیر خارجہ نے اعلان کیا کہ حکومت برطانیہ یہودیوں کیلئے ایک وطن قائم کرنا ضروری سمجھتی ہے اور وہ اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانے میں کوتاہی نہ کرے گی۔

ادھر فلسطین برطانی اقتدار میں آگیا تھا اُدھر یہودیوں کا مطالبہ تھا کہ فلسطین کے اندر ان کا مطلوبہ وطن بنایا جائے۔ اور پھر برطانیہ کو اپنی احسان شناسی اور ایفائے عہد کا خیال تھا ایسا کہا جانا مشکل تھا کہ فلسطین کی آبادی کو علی الاعلان مجبور کرکے ان کے شہر اور آبادیاں یہودیوں کا مسکن بنا دی جائیں۔ یہ علی الاعلان ایک قوم کی اچھی خاصی آبادی کو قتل کر دینے کے مرادف تھا اس لئے برطانیہ نے خاموش طریقے سے مسلمانوں کو قانون کے ذریعہ تنگ کرنا اور یہودیوں کو مراعات دینا اور فلسطین کی طرف سارے عالم سے یہودیوں کی ہجرت کو مرغوب بنا کر پیش کرنا، مسلمان زمینداروں کاشتکاروں کسانوں کو ٹیکسوں اور سخت اور تکلیف دہ قوانین سے زیر بار کرنا اور یہودیوں کو انہی گنجائشوں سے اپنے کاروبار، جائداد بڑھانے پھیلانے اور قدم جمانے کا موقع مہیا کرنا اختیار کیا۔ اس طرح یہودی آبادی بڑھتی گئی اور عربوں

کے لئے فلسطین کی زمین بھاری ہوتی چلی گئی، جب یہ جبر و تشدد کی جد و جہد کھلے طور پر محسوس کی جانے لگی تو عربوں نے احتجاج کیا، عرب حکومتوں کو دہائی دی لیکن عرب حکومتیں کچھ نہ کر سکیں وہ سب انگریزوں کے زیر اقتدار تھیں، وعدہ کرتی تھیں لیکن اگلا قدم کوئی نہ اٹھاتا بالآخر جب فلسطینی عربوں کو عرب حکومتوں سے مایوسی ہوئی تو انھوں نے جو کچھ اسلحہ اکٹھا ہو سکے ان سے یہودیوں کا مقابلہ اور اپنے قومی بقا کیلئے جد و جہد شروع کر دی اس کے نتیجہ میں مسلح جھڑپیں ہوئیں جس پر انگریزوں نے اصلاح اور قیام امن کے نام پر عرب قائدین کو حراست میں لے لیا اور کوشش کرنے والوں کو سخت سزائیں دیں اور یہودیوں کے ساتھ رعایت کرتے رہے۔

اس کے نتیجہ میں سارے عالم عربی بلکہ عالم اسلامی میں احتجاج شروع ہو گیا۔ اور دیگر عرب ممالک کے عوام کی طرف سے اعانت شروع ہوگئی۔ دوسری طرف عرب مجاہدوں کو مقابلہ سے باز رکھنے کے لئے سامراجی طاقتوں کے زیر اثر لیڈروں نے ایک جماعت قائم کی جس نے مدافعت اور اعانت کا وعدہ کیا لیکن آخر تک قابل ذکر کام نہیں کیا، صرف اقدام کا وعدہ اور بعض ابتدائی کوششوں تک محدود رہا اور اسی دوران دوسری جنگ عظیم شروع ہوگئی، اور اس میدان میں عارضی طور پر خاموشی طاری ہوگئی لیکن جنگ عظیم کے ختم ہوتے ہی مطالبات اور جد و جہد نے پھر سر اٹھایا اور مسلمانوں کی رائے عامہ نے پورا پورا تعاون شروع کیا لیکن عرب حکومتیں جو برطانیہ کے زیر اقتدار تھیں خاموش طریقہ سے اپنی اپنی پبلک کے لئے مانع بنی رہیں لیکن اس کے باوجود شیخ حسن البنا (مصر) کی کوششوں سے اخوان المسلمین نے فلسطین کے قضیہ میں حصہ لینا شروع کر دیا اور ان کی امداد سے عرب مجاہدوں

کو کافی تقویت پہونچی اور سارے ملک میں مقابلہ اور جد و جہد کا سلسلہ قائم رہا۔ ادھر انگریزوں نے یہ حالت دیکھ کر تقسیم فلسطین کی تجویز پیش کر دی۔ لیکن تقسیم فلسطین کی یہ تجویز کس انصاف اور کس قانون کے ماتحت معقول تجویز تصور کی جا سکتی تھی۔ عربوں نے اس کا سخت انکار کیا لیکن جب انگریزوں نے اس تجویز کو ترک کرنا نہ چاہا تو فلسطین کے عربوں نے شام و مصر کے رضاکاروں کی مدد سے ایک قومی فوج بنا کر منظم مقابلہ شروع کر دیا۔ اور جن مقامات کو برطانی مراعات نے یہودیوں کے حوالے کر دیا تھا۔ عرب عوامی فوج نے ان کو بتدریج واپس لینا شروع کر دیا۔ عرب حکومتوں کیلئے اس طرح الگ رہ کر تماشہ دیکھنے میں بدنامی تھی لہذا انھوں نے جنگ میں حصہ لینا تو شروع کیا لیکن برطانی احکامات کی تابعداری کے ساتھ ساتھ ان کی پالیسی یہ تھی کہ عرب مجاہد عوام کو جنگ سے روک دیا جائے۔ ان کو ناتجربہ کار کہہ کر یا خیانت کے الزامات عائد کرکے اور اخوان المسلمین کے رضاکاروں کو فلسطین میں داخل ہونے سے باقاعدہ طریقے سے روک دیا جائے لیکن اس کے باوجود ان مجاہدین کی ایک بڑی تعداد فلسطین میں خفیہ طریقے سے تھوڑی تھوڑی کرکے پہونچ گئی، یہ جانباز اور مخلص رضاکار مجاہدین یہودی فوجوں کو یکے بعد دیگرے شکست دیتے چلے گئے اور عرب حکومتوں کی فوجوں نے لڑنے کے بجائے جنگ کا مظاہرہ کرنے کی پالیسی اختیار کی اور باقاعدہ طریقے سے قلعوں کو فتح کرکے یہودی اقتدار میں بکمال خاموشی منتقل کرنے کی پالیسی پر عمل کیا، عوامی فوجوں کو حکومتی فوجوں میں سے صرف گنے چنے چند افراد کا اور فلسطینی عوام میں نڈر اور باہمت عنصر کا تعاون

حاصل رہا جس کی مدد سے وہ یہودیوں کی محدود تعداد کو پسپائی پر آہستہ آہستہ مجبور کرتے رہے اور قریب تھا کہ یہودی مرکز تل ابیب پر عرب فوج کا قبضہ ہو جائے اور یہودی فتنہ طاقت کے ذریعہ اسی سرزمین پر سلا دیا جائے لیکن انگریزوں نے بڑھ کر وار کیا وہ ایک زبردست سیاسی وار تھا وہ عارضی صلح کی تجویز تھی جس کی انگریزوں کے زیر اثر عرب لیگ نے تائید کی اور دیکھتے دیکھتے عرب ممالک نے جنگ رکوا دی اور فتح کی توی امید پر پردہ ڈال دیا گیا عرب مجاہدین و رضاکار واپس آنے پر مجبور کر دیئے گئے اس کے بعد کیا ہوا؟۔ مذاکرات اور وقت گذاری اور کچھ نہیں۔ اور پھر یہودی اقتدار ایک ناقابل تنسیخ حقیقت سمجھ کر بحال رکھا گیا۔ ملک فلسطین کا وہ سرسبز خطہ کہ جس پر فلسطین کی اقتصادیات اور عمرانیات کا انحصار ہے۔ یہودی حکومت کو منتقل ہوتا چلا گیا اور عرب منہ دیکھتے رہے اور مفاہمت کی کوشش کرتے رہے اور یہودیوں نے اپنی سلطنت بیت المقدس کے شہر کے محلوں سے جا ملائی اور آہستہ آہستہ عرب آبادیوں کو دھکے دے دے کر پیچھے کھسکاتے رہے انگریز عرب عوام کو اقتصادی بدحالیوں اور پریشانیوں میں گھیرے رہے، عرب جائدادیں یہودیوں کیلئے بڑے بڑے دام دیکر خریدتے رہے اور عرب اقتصادی بدحالی سے پریشان ہو ہو کر فلسطین چھوڑتے رہے۔

اس یہودی وطن کا جب اس طرح پر عرب ملک کے سینہ کو چاک کرکے پیوند جوڑا گیا تو فلسطین کے عرب عوام کی لاکھوں کی تعداد ملک چھوڑنے پر مجبور ہو گئی آج وہ عرب ملکوں میں بے سہارا پڑی ہے۔ تھوڑی بہت جو مدد عرب پہونچاتے ہیں اس پر صبر کرتی ہے یا متحدہ

اقوام کے ادارہ اعانۃ المہاجرین ان کے دلوں کے ایمان کی دولت چھیننے کے ساتھ ساتھ جوان کی ذرا ذرا سی ذلیل انداز سے کفالت کرتی ہے وہ ان مہاجرین کے لئے اب زندگی کا سہارا ہے۔ ادھر یہودی و عربی سرحدوں پر جو عرب آبادیوں کی بٹی ہے، اس کے عرب عوام کئی کئی روز فاقہ کرتے ہیں لیکن جہاد کی روح ان میں اب بھی اس قدر ہے کہ یہودی حملوں کا جی کھول کر مقابلہ کرتے ہیں اور عرب علاقے کیلئے صرف وہی ایک روک ہیں۔

جب باہر کے لوگوں سے ان کی ملاقات ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ تم ہمارے کھانے کا خواہ انتظام کرو۔ لیکن خدارا ہم کو اسلحہ مہیا کر دو کہ ہم اس یہودی دشمن کو سرحد سے آگے نہ بڑھنے دیں۔ ان لوگوں کی تھوڑی بہت اقتصادی مدد عرب کرتے ہیں لیکن اب تک کوئی مستقل یا قابل اعتماد انتظام نہیں کیا گیا جو ان کیلئے دائمی سہارا بن سکے، اگر اقتصادی بدحالیوں نے ان کا دامن نہ چھوڑا۔ اور یہ مجاہدین ہمت ہار گئے تو یہودی مملکت کی توسیع کو روکنا مشکل ہے۔ یہودی قومی وطن قائم ہونے کے بعد یہودیوں کی پاس امید سے بدل چکی ہے اور اس قوم کا مطالبہ کبھی زمانے دنیا کے کسی حصے میں صرف وطن قائم کرانا تھا۔ اب اس ہمت و جرأت پر اتر آئی ہے کہ خیبر و مدینہ کی واپسی کا دعویٰ کرتی ہے اور اس کو اپنا قدیم وطن بتاتی ہے اور ان کی واپسی مستقبل میں اپنی جد و جہد کا مرکز شمار کرتی ہے۔ یہود کی اس جرأت کے سمجھنے کیلئے کافی ہوگا اگر ایک امریکن یہودی اخبار کی وہ تحریر یہاں نقل کی جائے جو اس نے لفظ اسرائیل کی تشریح میں درج کی ہے۔ اس نے لکھا کہ یہود جو

(باقی صـــ پر)

اقبالؔ کے کلام میں قرآنی تلمیحات کی ندرت

از: محمد بدیع الزماں پھلواری شریف۔ پٹنہ

تلمیحات کے معنی ہیں کم از کم الفاظ سے بلاغت پیدا کی جائے اور طویل مضمون اور کتابوں اور علمی مسئلوں اور اصولوں کو بیان کرنے میں جو وقت ضائع کرنا پڑتا ہے اس سے تلمیحوں اور اصطلاحوں کے ذریعے بچا جائے جس زبان میں تلمیحات کم ہیں یا بالکل ہی نہیں ہیں وہ بلاغت سے گری ہوئی خیال کی جاتی ہیں۔

تلمیحات کے ذریعہ کسی زبان، واقعات اور تاریخ، اس کے بولنے والوں کے مذہبی عقائد ان کے اوہام، ان کے معاشرتی حالات اور ان کی رسوم اور مشاغل معلوم ہوتے ہیں، کسی قوم نے جس طرح تمدنی منزلیں رفتہ رفتہ طے کی ہیں اور جو تبدیلیاں اس کی زندگی میں یکے بعد دیگرے ہوتی رہی ہیں اس کی زبان کی تلمیحات کے مطالعہ سے سب نظر کے سامنے آجاتے ہیں۔ الغرض تلمیحات شائستہ قوموں کی ادبیات کی جان ہیں کیوں کہ ان معنی خیز اشاروں سے شاعر یا ادیب اپنے کلام اور تحریر میں بلاغت کی روح پھونکتا ہے تلمیحات کے بہت سے ماخذ ہیں جیسے دیومالا، مذہبی قصے اور عقائد کی کتابیں، تاریخی واقعات، عام فرضی قصے اور افسانے، ڈراما یا ناٹک کی کتابیں وغیرہ۔ اردو زبان میں دو طرح کی تلمیحات ہیں ایک ادبی تلمیحات یعنی وہ تلمیحیں جو اردو نثر و نظم میں مستعمل ہیں۔ دوسری عام تلمیحات جو عام طور سے بول چال میں داخل ہیں۔

اس مضمون میں اقبال کے کلام میں مذہبی عقائد کی کتاب یعنی قرآنی تلمیحات کا ذکر لایا جا رہا ہے۔ ایسے تو اقبال کے قبل بھی اردو شعراء نے بہت سی قرآنی تلمیحات جن میں قرآنی قصے بھی شامل ہیں اپنے کلام میں استعمال کیا ہے مگر کسی نے قرآن کی کسی آیت کو مصرعہ نہیں بنایا۔

دوسرے اقبال کے کلام میں بہت سی ایسی قرآنی تلمیحات ہیں جو ایک یا دو الفاظ میں ہیں جن میں بعض صرف ایک بار قرآن میں وارد ہیں اور جنہیں اقبال کے قبل عمومی طور پر کسی شاعر نے استعمال نہیں کیا۔ ایسے تو قرآنی قصے بھی قرآنی تلمیحات میں داخل ہیں۔ مگر ان قصوں میں ہر قصہ پر اقبال کے اتنے سارے اشعار ہیں کہ طوالت کی وجہ سے انہیں پیش نہیں کیا جا رہا ہے، اس لئے اس مضمون میں صرف وہ قرآنی تلمیحات پیش کی جا رہی ہیں جو آیت کی شکل میں ہیں، یا ایک یا دو لفظ میں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان دونوں قسم کی اقبال کے کلام میں اتنی ہی تلمیحات ہیں۔ یہاں بھی طوالت کی وجہ سے سب کو پیش کرنے سے احتراز کیا گیا ہے۔

پہلے وہ قرآنی تلمیحات پیش خدمت ہیں جو اقبال کے کلام میں آیت کی شکل میں بطور مصرعہ آئی ہیں۔ یہاں بھی طوالت کی وجہ سے بعض تلمیح میں پوری آیت کا ترجمہ نقل نہ کرکے ان کے قرآنی حوالے سورۃ کے نمبر شمار اور آیت کے نمبر شمار کے ساتھ دیئے جا رہے ہیں۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ: اس تلمیح سے اقبال کے کلام میں صرف ایک ہی درج ذیل شعر "بالِ جبریل" کی غزل ۵۹ کا ہے:

علم کا موجود اور، فقر کا "موجود" اور
اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ، اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ

"اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے (شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ) اور فرشتے اور سب اہل علم بھی راستی اور انصاف کے ساتھ اس پر گواہ ہیں کہ اس زبردست حکیم کے سوا فی الواقع کوئی خدا نہیں ہے۔ (آل عمران ۱۸)

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ: اس تلمیح سے اقبال کے کلام میں صرف ایک ہی درج ذیل شعر "بانگِ درا" کی غزلیات حصہ سوم کی آخری غزل کا ہے جس کے دوسرے مصرعہ میں انھوں نے "لسان العصر" اکبر الہ آبادی کے ایک مصرعہ کی تضمین کی ہے:

یہ "لسان العصر" کا پیغام ہے
"اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ یاد رکھ"

اس فقرے کے معنی ہیں "فی الواقع اللہ کا وعدہ سچا ہے" یہ فقرہ ہو بہو انہی الفاظ میں سورہ یونس: ۵۵، الروم: ۱۶۰، لقمٰن: ۳۳، فاطر: ۵، المومن ۵۵، الجاثیہ ۳۲، اور الاحقاف ۱۷ میں وارد ہے۔ علاوہ ازیں "وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا" کا فقرہ بھی سورۃ النساء ۱۲۲، یونس ۴، لقمٰن ۹ میں وارد ہوا ہے، اور سورۃ الروم ۶ میں انہی معنوں میں صرف "وَعْدَ اللّٰهِ" بھی وارد ہے۔

ان سبھی آیات میں خدائے تعالیٰ نے اپنے اس وعدہ کا اعادہ کیا ہے کہ روزِ حشر وہ نیک عمل کرنے والوں کو جزا، اور کفر کی راہ اختیار کرنے والوں کو سزا دے گا۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ: یہ تلمیح سورۃ الم نشرح کی درج ذیل آیت ۴ میں وارد ہوئی ہے، فرمایا گیا "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (اے نبیؐ) اور تمہاری خاطر تمہارے ذکر کا آوازہ بلند کر دیا۔

اقبال نے اس تلمیح کو اپنے کلام میں صرف ایک بار "بانگِ درا" کی نظم جواب شکوہ کے درج ذیل چونتیسویں (۳۴) بند میں استعمال کیا ہے،

دشت میں، دامنِ کہسار میں، میدان میں ہے
بحر میں، موج کی آغوش میں، طوفان میں ہے
چین کے شہر، مراقش کے بیابان میں ہے
اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے
چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ دیکھے

یہ سورہ الم نشرح مکی ہے جب کوئی شخص یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جس شخص (رسول اللہؐ) کے ساتھ گنتی کے چند آدمی ہوں اور وہ بھی شہر مکہ تک محدود ہوں، اس شخص کا آوازہ دنیا بھر میں کیسے بلند ہو سکتا ہے اور اسے ناموری کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر آج دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں مسلمانوں کی بستی موجود نہ ہو اور ہر روز پانچ وقت اذان کی آواز نہ گونجتی ہو۔

حدیث میں حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جبرئیل میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا: میرا رب اور آپ کا رب پوچھتا ہے کہ میں نے کس طرح تمہارا رفعِ ذکر کیا؟" میں نے عرض کیا "اللہ ہی بہتر جانتا ہے"۔ انھوں نے کہا: "اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب میرا ذکر کیا جائے گا تو میرے ساتھ تمہارا بھی ذکر کیا جائے گا"۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم، مسند ابو یعلیٰ، ابن حبان)

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى: یہ تلمیح اقبال کے کلام میں صرف ایک بار "ضربِ کلیم" کی نظم "ذکر و فکر" کے درج ذیل شعر میں آئی ہے

مقامِ فکر ہے پیمائشِ زمان و مکان
مقامِ ذکر ہے سبحان ربی الاعلیٰ

اقبال نے یہ تلمیح حدیث سے اخذ کی ہے اور احادیث میں یہ اصطلاح سورۃ الاعلیٰ کی اس پہلی آیت سے لی گئی ہے۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى
(اے نبیؐ) اپنے رب برتر کی تسبیح کرو،

احادیث میں حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہؐ نے سجدے میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى پڑھنے کا حکم اسی آیت کی بنا پر دیا تھا اور سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ رکوع میں پڑھنے کا جو طریقہ مقرر فرمایا تھا وہ سورۃ الواقعہ کی آخری آیت ۹۶ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ (پس اے نبی، اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح کرو) پر مبنی ہے۔ (مسند ابی داؤد، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم، ابن المنذر)

سورۃ الواقعہ کی متذکرہ بالا آیت سورۃ الحاقہ کی آیت ۵۲ میں بھی ہو بہو انہی الفاظ میں وارد ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ: اس تلمیح سے اقبال کے کلام میں صرف ایک ہی درج ذیل شعر "ضربِ کلیم" کی نظم "توحید" کا ہے

میں نے اے میر سپہ تیری سپہ دیکھی ہے
قُلْ هُوَ اللّٰهُ کی شمشیر سے خالی ہے نیام

اقبال نے سورۃ الاخلاص کی پہلی آیت "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" سے دو اصطلاحیں وضع کی ہیں۔ ایک "قُلْ هُوَ اللّٰهُ" اور دوسری "هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" اور دونوں کو الگ الگ شعر میں اس کی برجستگی سے استعمال کیا ہے کہ ہر اصطلاح شعر کی موضوع کی مناسبت سے پوری آیت کے معنی کا حق ادا کرتی ہے دوسری اصطلاح "هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" آگے آرہی ہے۔

"اللہ" عربوں کیلئے کوئی اجنبی لفظ نہ تھا، قدیم زمانہ سے وہ خالق کائنات کیلئے یہی لفظ استعمال کرتے آرہے تھے اور اپنے دوسرے معبودوں پر اس کا اطلاق نہیں کرتے تھے، جن کیلئے ان کے ہاں "اِلٰه" کا لفظ رائج تھا۔ مشرکین مکی دور میں بار بار رسول اللہؐ سے یہ سوال کرتے تھے کہ آخر تمہارا رب کون اور کیسا ہے جس کی طرف تم دعوت دیتے ہو۔ اس لئے آپؐ کو مخاطب فرما کر خدائے تعالیٰ نے فرمایا: "قُلْ" یعنی کہو کہ: "هُوَ اللّٰهُ" یعنی یہ وہی اللہ ہے جسے تم بھی جانتے ہو۔ یعنی یہ تمہارا "اِلٰه" نہیں اور "اِلٰه" کی تردید میں اس کے بعد ہی فرمایا گیا: "هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" یعنی وہ اپنی صفات میں یکتا و اکیلا ہے تاکہ پھر وہ "اللّٰهُ" کے ساتھ "اِلٰه" کی بات نہ لائیں۔

اس بات کا ثبوت مشرکین مکہ "اللّٰهُ" کے قائل تھے اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے جب ابرہہ نے جو حبش کی عیسائی بادشاہت میں یمن کا گورنر تھا اور رفتہ رفتہ یمن کا خود مختار بن بیٹھا۔ ۵۷۰ء یا ۵۷۱ء میں خانہ کعبہ کو ڈھانے کیلئے مکہ پر حملہ کیا تو باوجود اس کے کہ خانہ کعبہ میں ۳۶۰ "اِلٰه" موجود تھے مگر مشرکین نے ان سب کو چھوڑ کر صرف اللہ سے اس کی حفاظت کی دعائیں مانگی تھیں، جن کی تفصیل سورۃ الفیل کی تفسیر میں ملتی ہے۔

متذکرہ بالا شعر میں "میر سپہ" سے اقبال کی مراد مسلم رہنما، ملا، خانقاہوں کے پیر، مکتبوں کے مدرس، مصلح قوم اور ہر وہ شخص ہے جو میر سپہ بنا بیٹھا ہے، جنہیں اقبال یہ باور کراتے ہیں کہ فتح و نصرت کیلئے جو تمہارا بھروسہ صرف اللہ پر ہونا چاہیے تھا نہ کہ صرف جنگی ساز و سامان پر۔ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ" کی شمشیر سے اقبال یہ نکتہ ذہن نشین کراتے ہیں کہ جب یہ نیام میں آجاتی ہے یعنی جب یہ کلمہ طیبہ دل میں گھر کر لیتا ہے تو حق و باطل کے کارزار میں ایک سپاہی یا میر سپہ میں یہ کلمہ کیا سرور پیدا کرتا ہے۔ ایک حدیث میں اس طرح مروی ہے کہ فرمایا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہ:

"ایک شخص کو رسول اللہؐ نے ایک مہم کا سپہ سالار بنا کر بھیجا مگر وہ پورے سفر ہر نماز کی قرأت قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پر ختم کرتے تھے۔ جب وہ واپس آئے تو لوگوں نے رسول اللہؐ سے پوچھا کہ وہ ایسا کیوں کرتے تھے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ: "اُن ہی سے پوچھو" جب ان سے پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ: "میں ایسا اس لئے کرتا ہوں چونکہ اس میں خدائے ذوالجلال کی صفات مضمر ہیں۔ جو ہمیں بہت محبوب ہیں۔" حضورؐ نے جب یہ بات سُنی تو لوگوں سے فرمایا "ان کو خبر دے دو کہ اللہ تعالیٰ انھیں محبوب رکھتا ہے"۔

نظم "توحید" کے متذکرہ بالا شعر ہی کے معنوں میں "بال جبریل" کی غزل ۱۲ (دوم) کا یہ شعر بھی ہے ؎

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ: یہ تلمیح اقبال کے کلام میں صرف ایک بار "بانگ درا" کی نظم شکوہ کے درج ذیل دسویں بند میں آئی ہے:

کون سی قوم فقط تیری طلب گار ہوئی؟
اور تیرے لئے زحمت کشِ پیکار ہوئی؟
کس کی شمشیر جہانگیر جہاندار ہوئی؟
کس کی تکبیر سے دنیا تری بیدار ہوئی؟
کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے ہیں
مُنھ کے بل گر کے هُوَ اللّٰهُ اَحَد کہتے تھے

قُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ: اس کے لغوی معنی ہیں: "اللہ کے حکم سے اُٹھو!" اس فقرہ سے اقبال کے کلام میں "ضرب کلیم" کی درج ذیل نظم "قُمْ بِاِذْنِ اللّٰه" ہے:

جہاں اگرچہ دگرگوں ہے قُم باذن اللہ
وہی زمیں وہی گردوں ہے قم باذن اللہ
کیا نوائے اناالحق کو آتشیں جس نے
تری رگوں میں وہی خوں ہے قم باذن اللہ

غمیں نہ ہو کہ پراگندہ ہے شعور ترا
فرنگیوں کا یہ افسوں ہے قم باذن اللہ

مسلمانوں کو اس اصطلاح سے اقبال یہ باور کراتے ہیں کہ تیری رگوں میں سرگرم عمل ہونے کیلئے حسین ابن منصور حلاج کی طرح وہی خون موجود ہے جس نے نوائے "اناالحق" کو آتشیں کردیا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ فرنگی یعنی مغربی تعلیم نے تیرے مذہبی عقائد کو پراگندہ اور بے شعور کردیا ہے، مگر تو اللہ اور رسول اللہؐ کی زندگی بخش تعلیمات سے اس پراگندگی و بے ربطگی کو دور کرکے سرگرم عمل ہوکر فرنگیوں کے اس افسوں یعنی جادو کو باطل کرسکتا ہے۔

قم باذن اللہ کی اصطلاح سے کلام میں صرف ایک ہی منفرد شعر "بال جبریل" کی نظم "خانقاہ" کا یہ ہے ؎

قم باذن اللہ کہہ سکتے تھے جو رخصت ہوئے
خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ: یہ کلمہ سورۃ الصّٰفّٰت کی آیت ۳۵ میں وارد ہے جس کے معنیٰ ہیں اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے۔

اس کلمۂ طیبہ کی تشریح سورۃ ابراہیم کی آیت ۲۴ اور ۲۵ میں اور اس کی ضد کلمۂ خبیثہ کا ذکر اس کی اگلی آیت ۲۶ میں تمثیلی پیرایۂ بیان میں وارد ہوا ہے، کلمۂ طیبہ سے مراد وہ قول حق اور عقیدۂ صالحہ ہے جو سراسر حقیقت اور راستی پر مبنی ہے۔ یہ ایک ایسا بارآور اور نتیجہ خیز کلمہ ہے کہ جو شخص یا قوم اسے بنیاد بناکر اپنی زندگی کا نظام اس پر تعمیر کرے اس کو ہر آن اس کے مفید نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ برعکس اس کے جیسا آیت ۲۶ میں ارشاد ہے، کلمۂ خبیثہ کی مثال ایک بدذات درخت کی سی ہے جو زمین کی سطح سے اکھاڑ پھینکا جاتا ہے اس کیلئے استحکام نہیں ہے۔

اللہ کی دو شانیں ہیں۔ شانِ جلال و شانِ جمال، لَآ اِلٰهَ اس کی شان جلال کا مظہر ہے اور اِلَّا اللّٰهُ کی شانِ جمال کا جس سے ہستی باری کا اثبات ہوتا ہے۔ یہی دونوں اسلام کی اصل روح ہیں اور انسانی زندگی کی تکمیل کیلئے یہی دو چیزیں ضروری ہیں۔

اس تلمیح سے اقبال کے کلام میں کل آٹھ اشعار ہیں، سات اشعار "ضرب کلیم" کی نظم "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" میں ہیں اور آٹھواں شعر "بال جبریل" کی غزل ۲۳ کا یہ ہے:

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ: اس کے معنیٰ ہیں "میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے"۔ یہ اصطلاح قرآن میں سورہ طٰہٰ کی آیت ۴ میں وارد ہے۔ اقبال نے اسی لئے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کا مخفف مان کر جس درج ذیل شعر میں استعمال کیا ہے، اس اصطلاح سے پورے کلمۂ طیبہ کا جواز فراہم کردیا ہے۔ اس تلمیح سے اقبال کے کلام میں صرف ایک ہی شعر "بال جبریل" کی غزل ۲۳ کا ہے۔ جس کے دوسرے مصرعے میں اقبال نے سورۃ الحجرات کی آیت ۱۴ اور ۱۵ کی منظوم ترجمانی کی ہے ؎

تو عرب ہو یا عجم ہو ترا لَآ اِلٰهَ اِلَّآ
لغتِ غریب جب تک ترا دل نہ دے گواہی

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ: اس کے معنیٰ ہیں "اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے"۔ یہ فقرہ ہو بہو قرآن کی سورۃ البقرہ کی آیت ۲۵۵، سورۃ آل عمران کی آیات ۲، ۶ اور ۱۸، سورۃ الانعام کی آیت ۱۰۶، سورۃ المؤمنون کی آیت ۱۱۶، سورۃ القصص کی آیات ۷۰ اور ۸۸، سورۃ المؤمن کی آیت ۶۵ اور سورۃ الحشر کی آیت ۲۳ میں وارد ہے۔

اس تلمیح سے اقبال کے کلام میں کل دو درج ذیل اشعار ہیں، پہلا شعر "بال جبریل" کی غزل ۹ (اول) کا ہے اور دوسرا "ارمغان حجاز" کی نظم "مسعود مرحوم" کا ہے۔

مؤخر الذکر نظم سر سید احمد خاں کے پوتے سر راس مسعود پر مرثیہ ہے:

شادیا ہے ساقی نے عالمِ من و تو
پلا کے مجھ کو مئے لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
جہاں کی روحِ رواں لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
مسیح و میخ و چلیپا یہ ماجرا کیا ہے؟

دوسرے شعر کے دوسرے مصرعہ میں اقبال نے سورۃ آل عمران کے رکوع ۵ اور ۶ اور سورۃ النساء کے رکوع ۲۲ کی طرف دھیان مبذول کرایا ہے، جہاں حضرت عیسیٰؑ کے صلیب چڑھائے جانے کا ذکر وارد ہوا ہے۔ اسی پر "بانگ درا" کی نظم "سرگذشت آدم" کا یہ شعر بھی ہے ؎

کبھی صلیب پہ اپنوں نے مجھ کو لٹکایا
کیا فلک کو سفر چھوڑ کر زمیں میں نے

نوٹ: اقبال نے کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو مخفف کرکے کئی درج ذیل اصطلاحیں وضع کی ہیں:

۱۔ لَآ اِلٰهَ: اس اصطلاح سے اقبال کے کلام میں بارہ اشعار ہیں جو "بانگ درا" کی نظم تضمین بر شعر انیسی شاملو "بال جبریل" کی غزلیات ۸ (دوم) ۳۲ اور ۴۸ اور نظم "مسجد قرطبہ" کے چوتھے بند اور "ضرب کلیم" کی نظمیں "تصوف"، "نکتۂ توحید"، "حکیم نطشہ"، "جاوید سے"، "مسجد قوت الاسلام" اور "محراب گل افغان" کے انیسویں بند اور "ارمغان حجاز" کی ایک رباعی میں ہیں۔

۲۔ لَآ وَ اِلَّآ: اقبال نے لَآ اِلٰهَ کے لئے "لَآ" اور اِلَّا اللّٰهُ کیلئے اِلَّآ لاکر دو اصطلاحیں وضع کی ہیں، جنھیں انھوں نے اپنے کلام میں الگ الگ معنوں میں استعمال کیا ہے۔ ان کے کل دو اشعار ہیں پہلا شعر "بال جبریل" کی غزل ۱ (دوم) میں اور دوسرا "ضرب کلیم" کی نظم "لَآ وَ اِلَّآ" میں ہے۔

۳۔ لَآ وَ اِلَّا اللّٰهُ: یہاں بھی اقبال نے لَآ اِلٰهَ کی جگہ صرف لَآ کو الگ بطور اصطلاح استعمال کیا ہے، اور اِلَّا اللّٰهُ کو الگ۔ ان دونوں اصطلاحوں سے اقبال کے کلام میں صرف ایک ہی شعر "بانگ درا" کی نظم "سوامی رام تیرتھ" میں آیا ہے۔

(جاری)

ایک قدیم ندوی محمد شبیر صاحب کی وفات

● ڈاکٹر مولانا عبد اللہ عباس ندوی

ذی الحجہ ۵ اور ۶ کی درمیانی شب میں نصف شب کے بعد مولوی محمد شبیر صاحب ندوی اپنی زندگی کے ایام پورے کرکے دنیا سے رخصت ہوئے، مرحوم حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے ان خاص شاگردوں میں تھے جو حضرت مولانا کے ابتدائی زمانۂ تدریس میں شریک درس تھے اور زندگی بھر حضرت کے دامن سے وابستہ رہے اور ان کے دست گرفتہ بھی تھے۔ برہا برس سے تلاوت و مناجات صبح گاہی کے پابند رہے، سادہ لیکن صاف ستھری اور با اصول اور باوضع زندگی گذاری۔ ۱۹۴۳ء میں فراغت سے چند ماہ پہلے ایک ناگوار حادثہ اسٹرائک میں دارالعلوم سے جدا ہوئے اور مرحوم ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نے ان کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں سرپرستی کی اور اس وقت سے شب جمعہ ۶ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ تک اسی دیار کے ہو کر رہ گئے۔ جہاں جامعہ قائم ہے اور بعد نماز جمعہ سپرد خاک ہوئے اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت اور رحمت کا معاملہ فرمائے زندگی کے آخری چند سال علالت کی حالت میں گذرے جو انشاء اللہ کفارۂ سیآت کا ذریعہ ہوگا۔ باوجود ندوے سے باہر رہنے کے ندوے کا تعلق قائم رکھا۔ جامعہ ملیہ کی خدمت دل و جان سے اور انتہائی دیانتداری کے ساتھ انجام دیتے رہے جس شعبہ کے ذمہ دار بنائے گئے اس کا حق دل و جان سے ادا کیا یہ بات قابل ذکر ہے کہ جب ندوے کے پچاسی سالہ جشن کو منانطے کیا گیا تو حضرت مولانا علیہ الرحمہ کی نظر شبیر صاحب پر گئی اور دو مہینہ چھٹی لیکر وہ انتظامی امور میں دل و جان سے لگ گئے، کانفرنس کا ڈائس صرف اپنی تنہا رائے اور ڈیزائن سے ایسا تیار کرایا کہ بہت سے تجربہ کار انجینئروں نے اس کا اعتراف کیا۔

مرحوم نے اپنے پسماندگان میں اپنی رفیقۂ حیات اور دو لڑکے اور دو لڑکیاں چھوڑیں اور سبھوں کو اخلاص عمل، جدوجہد، اور حلال روزی حاصل کرنے کی تربیت دی۔ ان کے بڑے لڑکے احمد ندیم میرے خویش ہیں اور اب وہی اپنے خاندان کی دیکھ بھال کا فریضہ انجام دیں گے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی ہر طرح سے مغفرت فرمائے اور درجات بلند کرے۔ مرحوم نے جامعہ ملیہ اور اپنی ذات سے متعلق بہت سچائی اور ایمانداری کے ساتھ چند مقالات لکھے تھے جن کو مجلس علمی نئی دہلی نے شائع کیا تھا۔ وہ جامعہ ملیہ کو جس کی خدمت میں پوری زندگی گذاری "دیارِ شوق" کہتے تھے اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کی تاریخ کے چند اوراق اسی نام سے مرتب کئے گئے ہیں۔ جس میں صداقت و راست گفتاری کے ساتھ ندوے کا ادبی ماحول کا بھی اثر ہے اور لائق مطالعہ کتاب ہے۔

حرفِ دانش

اچھی صورت دل کو متاثر کرتی ہے، جبکہ اچھی سیرت روح کو جیت لیتی ہے۔

(مولانا جلال الدین رومیؒ)

واقعۂ ہجرت

اسلامی کیلنڈر کا نقطۂ آغاز

• ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی (ابوظبی)

بلاشبہ اللہ جل شانہ کے ارادہ کا نام وجود ہے، ہمارا پختہ ایمان ہے کہ اس گنبد مینا کی ادنیٰ ترین گردش و جنبش میں اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت و مصلحت ضرور پوشیدہ ہوتی ہے، جس کا ادراک کرنے سے ہماری عقل اور ظاہر بیں نگاہیں یکسر قاصر رہتی ہیں، واقعۂ ہجرت بھی بظاہر کاروانِ اسلام کی پسپائی اور فرار نظر آتا ہے، اللہ کے حکم پر اپنے گھر بار، مال و متاع اور وطن عزیز کو بے سروسامانی کے عالم میں الوداع کہہ کر دیارِ غیر میں از سرِ نو آشیانہ بنانا کوئی معمولی قربانی نہ تھی مگر بعد کے نتائج نے ثابت کردیا کہ ہجرت کی پشت پر اللہ جل شانہ کی اعلیٰ ترین حکمتیں پوشیدہ تھیں، اور حقیقت یہ ہے کہ اسی "خونِ صد ہزار انجم" سے (یعنی مہاجرین صحابہ کرامؓ کی قربانیوں کے طفیل) اسلام کی وہ سحر تازہ نمودار ہوئی جس نے خریطۂ عالم کو یکسر بدل کر رکھ دیا، اور دنیا کا گوشہ گوشہ نورِ اسلام سے معمور ہوگیا۔ علامہ شبلیؒ نے (اللہ انھیں کروٹ کروٹ جنت نعیم نصیب فرمائے) داستان ہجرت کو نہایت بلیغ اور دلآویز پیرائے میں بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "آفتاب کی روشنی دور پہونچکر تیز ہوتی ہے، شمیم گل باغ سے نکل کر عطر فشاں بنتی ہے، آفتاب اسلام طلوع مکہ سے ہوا لیکن اس کی کرنیں مدینہ کے افق پر چمکیں"۔

یہ اللہ جل شانہ کی دوررس حکمت کی ہی جلوہ فرمائی تھی کہ مکہ کی تیرہ ۱۳ سالہ زندگی میں صرف ایمانیات کو دلوں میں راسخ کرنے پر محنت کی گئی، کیونکہ مکہ ہی کی سرزمین اس کے لئے سازگار تھی۔ تاریخ شاہد ہے کہ عقیدہ کی پختگی ہمیشہ باطل سے تصادم کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے اور مکہ میں کامل تیرہ ۱۳ سال تک اسلام باطل قوتوں سے برسرِ پیکار رہا۔ اور جب سرشارانِ اسلام نے اس مہم کو اپنی جسمانی بلکہ بسا اوقات جانی قربانیوں کا نذرانہ پیش کرکے بحسن و خوبی سر کرلیا تو اب ان کو احکام اور دستورِ حیات عطا کرنے کے لئے مدینہ کی زرخیز زمین کا انتخاب کیا گیا، چنانچہ مکہ کے تیرہ سالہ ایمانیات کی پختگی اور مدینہ کے دس سالہ نزول احکام کا زمانہ ہے۔

اسلامی کیلنڈر کا پہلا مہینہ محرم الحرام ہر سال ہم کو اسی تاریخ ساز واقعۂ ہجرت کی یاد تازہ کراتا ہے، اسلامی سال کا آغاز رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ سے ہوا تھا۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے بہت درست لکھا ہے کہ "سنہ ہجری کا آغاز بلاشبہ ایک عظیم یادگار ہے مگر یہ دنیا کی دوسری قوموں کی یادگاروں کی طرح قوت و کامرانی کی یادگار نہیں بلکہ کمزوروں کی فتح مندیوں کی یادگار ہے، طاقت و حکومت کے جاہ و جلال کی یادگار نہیں، محکومی اور بےچارگی کے ثبات اور استقلال کی یادگار ہے، یہ فتح مکہ کی یادگار نہیں، جہاں آپ فاتحانہ داخل ہوئے، بلکہ یہ فتح مدینہ کی یادگار ہے، جیسے غربت اور بے سروسامانی کی روح ہجرت نے فتح کیا۔ یہ دراصل دل کی اور فکر و نظر کی عظیم فتح کی یادگار ہے، اس ہجرت نے دنیا کے نقشہ ہی کو بدل کر رکھدیا"۔

مسلمان جب مکہ سے ہجرت کر رہے تھے تو کفار قریش ہنستے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ مٹھی بھر بے آسرا غریب کچھ نہیں کرسکتے مگر آٹھ سال کے بعد یہی بے آسرا لوگ دس ہزار کی تعداد میں واپس ہوئے تو اہل مکہ کے لئے رحمۃ للعالمینؐ کے سایۂ رحمت کے سوا کوئی اور سایہ نہ تھا۔ پورا مکہ لرزہ براندام تھا کہ آج ہماری گردنی بھرپور انتقام کا دن ہے، لیکن تمام توقعات کے برخلاف رحمت عالم کی شفقت بھری آواز فضا کے پراسرار سکوت کو توڑتے ہوئے بلند ہوئی "آج تم سب کے لئے عام معافی ہے"۔ اور بلاشبہ یہ ہجرت ہی کا ثمرۂ شیریں تھا کہ مکہ کی پوری آبادی حلقہ بگوش اسلام ہوگئی۔ اور کعبہ بتوں سے پاک ہوگیا۔

قمری سال اور اس کے مہینوں کے موجودہ نام ظہور اسلام سے قبل بھی ملک عرب میں رائج تھے۔ چونکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۲ ربیع الاول کو ہجرت فرمائی تھی اس لئے پہلا ہجری سال صرف ساڑھے نو مہینوں پر ہی ختم ہوگیا۔ اور پھر محرم سے دوسرے ہجری سال کا آغاز ہوا، دیگر اقوام عالم کی طرح مسلمانوں کے لئے بھی ایک مخصوص تقویم مقرر کرنے کا مسئلہ عہد فاروقی میں زیر بحث آیا تو اس سلسلہ میں مختلف رائیں سامنے آئیں، بالآخر حضرت عمر فاروقؓ نے اکابر صحابہ کرامؓ کے مشورہ سے واقعۂ ہجرت کو ایک یادگار قومی دن کی مناسبت سے ہجری سال کا نقطۂ آغاز قرار دیا۔

اس لئے آج تمام اسلامیانِ عالم کا یہ دینی فریضہ ہے کہ وہ اپنے معاشی، معاشرتی سیاسی و اقتصادی غرض روزمرہ کے ہر کام میں تقویم ہجری کا اتباع کریں۔ مگر قلم کا جگر شق ہوتا ہے۔ اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے کہ اعدائے اسلام کی عالمی پیمانہ پر ایک منظم سازش کا شکار ہوکر آج ہم اپنے اس دینی اور تاریخی امتیاز سے بیگانہ ہوکر رہ گئے ہیں۔ یاد رکھئے دنیا میں سرد جنگ کے خاتمہ اور کمیونزم کے زوال کے بعد اب باطل طاقتوں اور فرعونی قوتوں کو سب سے بڑا خطرہ اسلام سے درپیش ہے، اسی باعث انھوں نے دنیا کے مختلف خطوں میں اسلامیان عالم کو اپنے جور و ستم اور ظلم و تشدد کا نشانہ بنا رکھا ہے خواہ وہ فلسطین ہو یا عراق، بوسنیا ہو یا اڑیسہ۔ اللهم شتت شملهم ومزق جمعهم

اسلامی تقویم کے ہر سالِ نو کا آغاز ہمارے لئے عبرت و بصیرت کے بہت سے گوشے وا کرتا ہے، سال گذشتہ میں جن تقصیرات کا صدور ہم سے ہوا ہے، سالِ نو میں نہ صرف ان کی تلافی مافات کا عزم کیا جائے بلکہ یہ پختہ عہد بھی کیا جائے۔ کہ اب اس سال ہماری زندگی تمام تر احکام الٰہی اور سنت رسولؐ کے تابع رہے گی، آخرت کی جوابدہی کا خوف ہمہ وقت پیش نظر رہے گا۔ اللہ کی رضا و خوشنودی ہمارے ہر عمل کا محور رہے گی اسی کے ساتھ بارگاہِ ایزدی میں پورے خشوع کے ساتھ یہ دعا بھی کرتے رہنا چاہئے کہ یہ نیا سال اسلامیان عالم کو اعدائے وقت کے ہاتھوں درپیش مسائل و مشکلات کے خاتمہ کا سال ثابت ہو۔ اور کرۂ ارض کے ہر خطہ میں آباد مسلمانوں کے لئے امن و آشتی اور راحت و سکون کا گہوارہ بن جائے، وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

دعوت و تبلیغ کی راہ میں

• ڈاکٹر محبوب راہی

پہلے تو راہ حق میں مصیبت بھی آئے گی
پھر کامیابیوں کی بشارت بھی آئے گی

گھر بیٹھے کیسے منزل عزت بھی آئے گی
ہجرت اگر کروگے تو نصرت بھی آئے گی

نکلوگے گھر سے، نکلے گا اندر کا ہر بگاڑ
اخلاق بھی بنیں گے شرافت بھی آئے گی

دنیا کی عظمتوں کی کروگے اگر نفی
دل میں تمہارے دین کی عظمت بھی آئے گی

دوزخ سے درد و کرب کی مل جائے گی نجات
ہر گام اک سکون کی جنت بھی آئے گی

قدموں میں ہوں گے قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج
ہاتھوں میں پھر عنانِ حکومت بھی آئے گی

عزت اسے ملے گی جو گھر سے نکل گیا
پھر گھر میں خیر آئے گا برکت بھی آئے گی

سر کو عزیزو! پہلے جھکانا تو سیکھ لو
آئے گی سر کٹانے کی نوبت بھی آئے گی

تبلیغ دیں کی راہ اے راہی کٹھن تو ہے
لیکن اسی پہ منزل راحت بھی آئے گی

(بقیہ)

محرم کی حقیقت

اہل سنت کا طریقہ یہ ہونا چاہئے کہ یوم عاشورا کو فرقہ رافضیہ کی ایجاد کی ہوئی بدعتوں سے اجتناب کریں اور جس چیز کا نبی کریمؐ نے حکم دیا ہے اس کی پیروی کریں اسی میں مسلمانوں کی فلاح و نجات مضمر ہے۔

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے

مولانا نذر الحفیظ ندوی

(دوسری قسط)

مذہب کا مستقبل؟

صورتحال کچھ بھی ہو، یہ حقیقت اپنی جگہ اہم ہے کہ تیسرے ہزاریے کے آغاز پر صرف دو نقطۂ نظر باقی رہ گئے ہیں جو مغربی انسان کے دل و دماغ کو اپنی طرف متوجہ کرسکتے ہیں، یعنی جدیدیت کے بعد سیکولرازم اور اسلام ان کے علاوہ کوئی تیسرا نظر نہیں آتا۔ اگرچہ مغربی دانشوروں میں خال خال ایسے افراد بھی ہیں جو بدھ مت میں کشش محسوس کرتے ہیں، مگر وہ شاید کسی دوسرے جنم میں موقع ملنے کا انتظار کریں گے۔ لہٰذا اب نہایت اہم سوال یہ ہے کہ مستقبل کس کا ہوگا؟ علاوہ ازیں کوئی نتیجہ نکالنے سے پہلے اس سوال کا جواب ڈھونڈنا ہوگا کہ کیا ۲۱ویں صدی مذہبی ہوگی یا نہیں؟

موجودہ دور میں بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ مذاہب معاشرے سے خارج ہو رہے ہیں اور یہ کیفیت امریکہ سے زیادہ یورپ میں پائی جاتی ہے لوگ گروہ در گروہ مسیحی چرچوں کو خیرباد کہہ رہے ہیں۔ یہ چرچ بھی ہمارے عہد کی روح اور فیشنوں کے مطابق یکے بعد دیگرے مصالحتیں کرتے چلے جارہے ہیں، لہٰذا ہم جنس پرستوں کے پادری پیدا ہوچکے ہیں، لوگ جب اور جیسے چاہیں استقرار حمل کی اجازت دے سکتے ہیں، خواتین بشپ بھی ہیں، اور روزہ رکھنے کی عملاً کوئی مدت مقرر نہیں،

یقین کیجئے اس طرح چرچ تیزی سے منحرف ہو رہے ہیں۔ چنانچہ اب یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ مسیحیت پر ایمان رکھنے والوں کی اکثریت (حتی کہ بعض پروٹسٹنٹ پادری بھی) مسیح کی الوہیت اور موت کے بعد دوبارہ بعثت میں یقین نہیں رکھتی۔

بہرحال یہ صورت حال کی مکمل تصویر نہیں ابھی تک نئی رویوں کا تابع، بے قاعدہ مذہب ادھر ادھر پھیلا ہوا ہے۔ مذہب مسلمہ چرچوں سے ہٹ کر اپنے وجود کیلئے نئے سہارے تلاش کر رہا ہے آپ مغربی دنیا کی کسی بک شاپ میں چلے جایئے، آپ دیکھیں گے کہ مذہب کے مقابلے میں اسرار و رموز اور طلسمات پر مشتمل کتب کا سیکشن کہیں بڑا ہوگا۔ لوگ آج بھی یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ان کا مستقبل کیا ہے؟ وہ ہر قسم کے رازوں کو جاننا اور خوشی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ بنیادی طور پر انھیں مذہبی خواہشوں نے تمام منفعتوں کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا ہے، لوگ کسی بھی چیز کا تجربہ کرنے کیلئے آمادہ ہیں۔ خواہ وہ دشمن پرستی ہو یا جنتر منتر شیطان پرستی (SATANIN CULT) ہو یا ہندو گرو۔

میری تشخیص یہ ہے کہ یہ لوگ جن کی اکثریت نئی نسلوں سے تعلق رکھتی ہے، عبوری طور پر مذہب کیلئے سرگرداں ہیں۔ بے معنویت اور روحانیت سے خالی زندگی سے ان کا دل اچاٹ ہوچکا ہے۔ اور وہ اس حقیقت کی تلاش میں ہیں کہ کیا واقعی کوئی دنیا ایسی ہے جس میں ہر چیز چلی جاتی ہے: ان کی پرورش پابندیوں سے آزاد ماحول میں ہوئی ہے اور ان کے دلوں میں قیادت، حقیقی اقدار اور حق و باطل کے قابل اعتماد معیارات کو پالینے کی شدید خواہش موجزن ہے۔

مختصر یہ کہ ان لوگوں میں بے پناہ مذہبی امکانات موجود ہیں، جو اکیسویں صدی کو مذہبی دور میں بدل سکتے ہیں۔ چنانچہ سوال یہ ہے کہ کیا ماضی کی نسبت آج عیسائیت کے مقابلے میں اسلام کو بہتر متبادل تصور کیا جائے گا یا نہیں؟ اور کیا اس وقت رائج نجی نوعیت کے مذہب کے مقابلے میں اجتماعی عبادت کو ترجیح دی جائے گی یا نہیں؟

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے میری سوچی سمجھی رائے ہے کہ یورپ میں مسیحیت ناقابل اصلاح ہے اسی طرح مجھے یقین ہے کہ اہل مغرب ایک نیا مصنوعی مذہب بنانے کیلئے بھی اپنی کوششوں کو یکجا نہیں کرسکتے، ایسا مذہب چل نہیں سکے گا۔ اس لئے کہ مذہب کیلئے ایک ایسی ہستی کا تصور ناگزیر ہے جو شک و شبہ سے بالا ہو۔ صرف وحی و الہام پر ہی مذہب کی تعمیر ممکن ہے۔

جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے میں زیادہ پر امید ہوں۔ نوجوان نسل آپس کے تعلقات کو عزیز رکھتی ہے اور بڑھاپے میں تنہائی اور مجرد زندگی کے تصور کے بارے میں بہت فکرمند ہے فی الواقع یہ نوجوانوں کے لئے ایک اہم اثاثہ ہے کہ اسلام اپنے ساتھ خاندان، امت اور اخوت کے تصورات لاتا ہے۔

اسلامی معاشرے میں مغربی مسیحیوں کے درمیان اپنے ہمسائے سے محبت کے تصور کے مقابلے

میں اخوت کا رشتہ کہیں زیادہ حقیقی طور پر قائم ہے۔ اگر مغربی معاشروں کی جذباتی سرد مہری ایک حقیقت ہے تو اسلامی امت کی محبت اور گرمجوشی ہم عصر مغربی بچوں کی ایک بنیادی ضرورت پورا کرسکتی ہے۔

کمپیوٹر دور کی دروں بیں، فطرت، جنسی لحاظ سے مشتعل ماحول اور مغربی زندگی میں مقابلے کی وحشیانہ دوڑ جو اسکول سے ملازمت اور ملازمت سے جنسی تعلقات تک جاری رہتی ہے اور زیادہ سے زیادہ کے حصول کی تگ و دو نے ایک ایسی صورت حال پیدا کردی ہے جس میں ہر عام امریکی کم از کم ایک بار نفسیاتی معالج سے مشورے پر مجبور ہے۔ ایسے لوگ اس بدیہی حقیقت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ مسلمانوں کی اکثریت اپنی ذات میں مطمئن ہے، نفسیاتی بوجھ سے بے نیاز ہے اور عجلت پسند نہیں۔ مختصر یہ کہ وہ اپنے خدا کی رضا پر راضی اور اپنے ماحول اور اپنی ذات سے مطمئن لوگ ہیں۔ ان تمام اسباب کی بنا پر میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ بہت سے لوگ جو اپنی روزمرہ زندگی کی بھاگ دوڑ سے تنگ آچکے ہیں۔ اسلام کے بارے میں زیادہ جاننے کی جانب مائل ہولیں گے۔

اسلام کے امکانات :

۱۔ اس سوال کا جواب کہ کیا لوگ اسلام کو دریافت کرسکیں گے یا نہیں، اس بات پر منحصر ہے کہ مسلمان اسلام کو درست طور پر پیش کرتے ہیں یا اس کی غلط ترجمانی کرنے لگتے ہیں، سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی جنھیں چاہتا ہے سیدھی راہ پر چلاتا ہے، سان فرانسسکو کے جیفرے لینگ کی طرح بہت سے نومسلم صرف قرآن کریم پڑھ کر مسلمانوں کے حلقے میں شامل ہوگئے حالانکہ اس سے قبل ان کا مسلمانوں سے کوئی رابطہ نہیں تھا لیکن بحیثیت مجموعی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو داعی کے طور پر استعمال کرتا ہے۔

۲۔ پہلے میں اس بات پر بحث کرنا چاہوں گا کہ مسلمانوں کو اشاعت اسلام کیلئے کیا کرنا چاہیے؟ اس تجویز کو اس ایک جملے میں سمیٹا جاسکتا ہے: اسلام کو مغربی معاشرے اور تہذیب کی صحت مندی کیلئے ایک اہم علاج کے طور پر پیش کیجئے۔ ان امراض کے مداوا کے طور پر جو مغرب کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ پورے ادعا اور فعال انداز میں دعوت پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ معذرت خواہانہ رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے، دعوت کا انداز ایسا نہیں ہونا چاہیے جیسے کوئی کوئی چیز طلب کی جارہی ہے، بلکہ ایسا ہونا چاہیے جو کسی کو کچھ پیش کرتے وقت اختیار کیا جاتا ہے، اور دینے کے لئے ان باتوں کے علاوہ جن کا ذکر میں قبل ازیں کرچکا ہوں، ہمارے پاس بہت کچھ ہے۔

(الف) مسلمانوں کا تصور الٰہ بے مثل خدائے واحد کا تصور جو بیک وقت ہر کہیں موجود ہے لیکن سب سے ماورا ہے، جسے حدود زمان و مکان میں مقید نہیں کیا جاسکتا۔ وہ واحد ہستی جو مطلق وجود رکھتی ہے، اللہ کا یہ واحد تصور ہے جو جدید تعلیم یافتہ انسان کو مطمئن کرسکتا ہے۔ توحید یعنی ہر قسم کی آلائش سے پاک یہ تصور کہ اللہ ایک ہے، ہمارا بڑا اثاثہ ہے۔

(ب) دنیا کی کوئی تہذیب خاندان کا ڈھانچہ ٹوٹ جانے کے بعد دیر تک زندہ نہیں رہ سکتی موجودہ دور میں بالفعل خاندان شدید حملے کی زد میں ہے اور ریاست بھی اس میں شامل ہے جو رشتہ ازدواج کے بغیر تعلقات کو فروغ دینے کیلئے ہر ممکن کام کر رہی ہے، طلاق کی شرح خوفناک حد تک بڑھ چکی ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں آدھے گھر مجرد افراد چلا رہے ہیں جن میں وہ عورتیں بھی شامل ہیں جو بچہ تو چاہتی ہیں، شوہر نہیں۔ بچوں کی بڑی تعداد جو باپ کے بغیر پرورش پارہی ہے۔ بہت سے بچے جس قدر عدم توازن کا شکار ہیں اس کا اندازہ تشدد کے بڑھتے ہوئے رجحان سے کیا جاسکتا ہے۔ ان کے دل میں بزرگوں اور خاندان کا احترام اتنا کم ہوچکا ہے کہ اب امریکہ میں ناپسندیدہ والدین سے نجات کیلئے بچے قانونی دعویٰ بھی کرسکتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ مسلمان خاندان گلوبلائزیشن اور اقتصادی مجبوریوں اور ٹیلی ویژن کے زیر اثر شدید دباؤ میں ہیں، تاہم عمومی طور پر مسلمان خاندان مضبوط تانے بانے میں منسلک ہیں اور عام مغربی گھرانوں کے مقابلے میں زیادہ تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو اپنے اس اثاثے کا تحفظ کرنا چاہیے۔

(ج) مغربی معاشرے کو اپنے وجود میں دوسرا بڑا خطرہ ہر قسم کی منشیات سے درپیش ہے، جن میں سگریٹ، شراب، کوکین، ایس ڈی اور دوسری نشہ آور ادویہ شامل ہیں، بلکہ ٹی وی اور انٹرنیٹ کو بھی ان میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ کسی مبالغے کے بغیر یہ کہا جاسکتا ہے کہ نشہ مغربی معاشرے کے پورے وجود میں سرایت کرچکا ہے۔ بڑے صدمے کی بات ہے کہ لوگ جام، گولی اور خاص سگریٹ کے بغیر جی نہیں سکتے ایسے لوگ بالفعل شرک کی ایک جدید قسم پر عمل پیرا ہیں وہ خدا کے سوا کسی دوسری چیز کے غلام بن چکے ہیں اور اگر کہیں انھیں روزے کے قواعد کی پابندی کرنی پڑے تو یہ بات اور واضح ہوجائے گی۔ وہ ایسا نہیں کرسکیں گے اس لئے کہ وہ اپنے وجود کے مالک نہیں رہے۔

مسلمان اس امر پر فخر کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے وجود میں سنجیدہ فطرت ہیں، وہ ہر لمحہ مستعد اور چوکس رہتے ہیں اور کبھی مخمور نہیں ہوتے، نشے کے زیر اثر مہلک حادثات کے قصوروار ہوتے ہیں، شاید ہی کوئی دوسری بات اتنی صراحت کے ساتھ یہ ثابت کر سکے گی کہ اسلام ایک متبادل طرز حیات ہے جو مغرب کو حالت نیم خوابیدگی میں تباہی سے بچا سکتا ہے۔

(د) تمام مغربی معاشروں کو اپنے اندر مختلف قسم کے گروہی تعصبات، نسل پرستی، شاؤزم اور دوسرے مذاہب کے خلاف امتیازی سلوک جیسے خطرات لاحق ہیں، ان کی غلامی کی تاریخ کا آج بھی امریکہ میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے، ماضی قریب تک جتنی جنگیں یورپ اور امریکہ میں لڑی گئیں وہ اسی قسم کے تعصبات کی وجہ سے برپا ہوئیں۔

اس پس منظر میں جب ذمہ دار مغربیوں کو معلوم ہوگا کہ اسلام نظری اور عملی دونوں اعتبار سے ایک ایسا مذہب ہے جس نے رنگ و نسل کے بجائے تقویٰ کو معیار بنا کر ہر انسان کو امت میں قبول کرے اور خلوص دل سے دوسرے مذاہب کو برداشت کرکے نسل پرستی اور کثیر المذاہب معاشرے کے مسئلہ کو حل کر دیا ہے، تو وہ اسے جنت گم گشتہ خیال کریں گے۔ جب میلکم ایکس کو معلوم ہوا کہ امت میں سب نسلیں شامل ہو سکتی ہیں، تو اس کے لئے یہ ایک بڑا انکشاف تھا۔

آیئے ہم اس قدر کو عملی زندگی کا حصہ بناتے ہوئے اپنی صفوں میں رنگ، نسل، زبان اور اسی طرح کے دوسرے امتیازات کو مٹا ڈالیں اور اس سے بہترین فائدہ اٹھائیں، امریکہ کے لاکھوں افریقی النسل لوگوں نے اسلام قبول کیا کہ حضرت بلالؓ سیاہ فام تھے، دوسرے لوگوں کو بھی انہی مقاصد کے تحت کیوں نہ ان کی پیروی پر آمادہ کیا جائے؟ بین المذاہب رواداری کا منشور بھی اسی طرح مساوی افادیت کا حامل ہے جسے سورۃ المائدہ کی آیت ۱۴۸ اور سورۃ البقرہ کی آیت ۲۶۵ میں بیان کیا گیا۔ یہ بنیادی رواداری جس پر عالمی مسیحی اتحاد کی تحریک سے پہلے ۱۴ سو برس تک عمل کیا گیا۔ مغربی لوگوں کی نظر میں اس قدر غیر معمولی ہے کہ وہ اس کی تحسین کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

ہماری جانب سے اس بات کی نشاندہی کرنے کی ضرورت ہے کہ ترکوں کی حکمرانی کے دور میں پانچ سو برس تک یونان آرتھوڈکس رہا لیکن سوال یہ ہے کہ آٹھ سو برس تک اسپین میں بسنے والے مسلمان کہاں گئے۔

(ھ) نوجوان نسل اپنے آپ کو آزاد محسوس کرتی ہے اور اپنی آزادی برقرار رکھنا چاہتی ہے، وہ وراثت میں ملنے والی پیشوائی پادریوں کی مذہبی رسوم پر اسرار عقائد اور ہر اس چیز سے نفرت کرتے ہیں جو انھیں چرچ کے اداروں کی یاد دلاتی ہے۔

ایسے لوگ اس وقت خوشگوار حیرت میں گم ہو جاتے ہیں جب انھیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام چرچ، پوپ، رسوم اور تجسیم خداوندی، تثلیث، صلیب پر نجات اور ورثے میں ملنے والے گناہوں جیسے پریشان کن تصورات کو تسلیم نہیں کرتا جب انھیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ پابندیوں سے آزاد اہل ایمان کوئی اور نہیں تو وہ حیرت کا اظہار کرتے ہیں ان کے لئے یہ باعث حیرت ہے کہ وہ کوئی درمیانی وسیلہ قبول نہیں کرتے، خواہ وہ پادریوں اور سینٹ کی صورت ہی میں کیوں نہ ہو، وہ اپنی عبادات میں مکمل انفرادی حیثیت میں اللہ کے روبرو پیش ہوتے ہیں، وہ یقیناً اس خبر سے بھی متاثر ہوں گے کہ ہر مسلمان اپنے مرتبے سے قطع نظر امام کے فرائض انجام دینے کا اہل ہے۔

(و) شاید یہ بات آپ کو سن کر حیرانی ہو کہ جنسی معاملات میں مسلمانوں کا ضابطہ آج کل بہت سے نوجوانوں کو مثبت طور پر متاثر کرتا ہے جو "اقدار کی قدامت پسندی" کے جدید نظریے کی جانب جھکاؤ رکھتے ہیں متعدد مغربی خواتین جو گلیوں، بازاروں میں سامان جنس کے طور پر مردوں کا نشانہ بننے کو توہین آمیز سمجھتی ہیں۔ ان مسلمان عورتوں کی مداح ہیں جن کا لباس اور رکھ رکھاؤ واضح اشارہ دیتا ہے کہ وہ کوئی ارزاں جنس نہیں ہیں، فحش لٹریچر اور فلموں، فیشن شو، حسن کے مقابلوں اور عریاں جنسی اشتہارات سے عورت کا استحصال کیا جا رہا ہے، اس صورت حال میں آزادی نسواں کی حامی بہت سی مغربی عورتیں بھی اب سمجھنے لگی ہیں کہ یہ مسلمان بہنیں بھی اسی مقصد یعنی عورت کے وقار کے لئے جد و جہد کر رہی ہیں اور وہ یہ کام زیادہ کامیابی سے انجام دے رہی ہیں۔

اسقاط حمل کے بارے میں مسلمانوں کے اس موقف کو کہ اس کی اجازت صرف اسی صورت میں دی جا سکتی ہے جب ماں کی زندگی خطرے میں ہو۔ "حامی حیات" مغربی حلقوں میں بڑی عزت کا مقام دیا جاتا ہے، یہ حلقے اس امر پر نالاں ہیں کہ کیتھولک بشپ بھی ہر طرح کی وجوہ کی بنیاد پر اسقاط حمل کی اجازت دینے لگے ہیں۔ یہ سمجھا جاتا ہے

کہ اسلام بچے کی زندگی کے حق میں واضح موقف کا حامل ہے۔

مغرب کی خاموش اکثریت ہم جنس پرستی کے خلاف بھی مسلمانوں کے موقف کا احترام کرتی ہے، یہ خاموش اکثریت مغرب کی نئی پالیسی کی مذمت کرتی ہے جس کے تحت ایک ہی جنس کے افراد کے درمیان تعلقات کو ایک طرز زندگی سمجھ کر قبول کر لیا گیا ہے، مغرب کے بہت دانشوروں کو خدشہ ہے کہ عوامی سطح پر ہم جنس پرستی کا مرتبہ بڑھانا جس میں ہم جنسوں کی شادیاں بھی شامل ہیں، انحطاط اور زوال تہذیب کی علامت ہے، یہ لوگ اس بات پر شرم محسوس کرتے ہیں کہ سان فرانسسکو میں شہر کے دو حصے ہم جنس پرستوں پر مشتمل ہیں، اس میں کوئی تعجب نہیں کہ ایسے لوگ مسلم رویے کو پسند کرتے ہیں جس کے تحت بظاہر "پیدائشی" ہم جنس پرستوں کو قابل رحم سمجھا جاتا ہے جبکہ ہم جنس پرستی کو زندگی کا معمول تسلیم کرنے سے انکار کیا جاتا ہے۔

عرب میں بیک وقت دو انتہائی رویے نظر آتے ہیں، ایک جانب جنس سے مکمل اجتناب ہے تو دوسری جانب بے لگام جنسی آزادی، اسی لئے مغرب کے صاحب نظر لوگ مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے متاثر ہیں جو جنسی جبلت کی حقیقت اور آدمی کی ضروریات کے بارے میں زیادہ متوازن اور باوقار ہے۔ اسلامی شادی کے تقدس کو عیسائیت کی رسمی سطح پر نہیں لے جاتا بلکہ عقل سلیم کے مطابق یہ سمجھتا ہے کہ یہ معاہدہ غیر مستقل بھی ثابت ہو سکتا ہے اس کے ساتھ اسلام فریقین کے درمیان متاہل زندگی کو عبادت قرار دیتا ہے۔

(س) اقتصادیات کے میدان میں بھی اسلام کو باعث رحمت سمجھا جا سکتا ہے، پہلی نظر میں ربا کی ممانعت بے معنی اور ناقابل عمل لگتی ہے، لیکن بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ممانعت نجی کاروبار کو، جس پر سرمایہ داری کی عمارت تعمیر کی گئی ہے، تحفظ فراہم کر سکتی ہے، جب سرمایہ بیشتر نقصان سے محفوظ کاروبار میں صرف کیا جانے لگتا ہے تو اسلام نفع و نقصان کی بنیاد پر کاروبار پر زور دیتا ہے اور سرمائے کے جمود کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے۔

(ح) اسلام کے چند اور پہلو بھی مغربی لوگوں کے لئے کشش رکھتے ہیں جن میں صحت کے اعتبار سے رمضان کے روزے بھی شامل ہیں۔

لیکن آخری تجزیے میں یہ علوم مغرب اور مشرق کے درمیان سب سے زیادہ اہم اختلاف کی صورت میں سمٹ جاتے ہیں یعنی زندگی کی کوالٹی، جس کے بارے میں مقدار اور معیار کے اعتبار سے دونوں کے رویے مختلف ہیں مغرب واضح طور پر مقداری پہلو کو اس حد تک عزیز رکھتا ہے کہ جب تک کسی چیز کی مقدار یا اس کے شمار کا تعین نہ کیا جائے۔ وہ اس کے نزدیک کسی قدر و قیمت کی حامل نہیں، فی الحقیقت مغرب میں ان مقدار سے انکار کا رجحان عام ہے، جن کی مادی مقدار (مادی پہلو) کا تعین نہیں کیا جا سکتا اور وہ صرف روحانی سچائیاں ہیں۔

اسلامی دنیا بیمت شرق نئی نئی اشیائے صرف کے استعمال سے حاصل ہونے والی خوشیوں کی طرف راغب ہے، جو گلوبلائزیشن کے ذریعہ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ رہی ہیں، لیکن آج بھی اس خطے میں زندگی کی کوالٹی کے پہلوؤں کو مقداری پہلو کے مقابلے میں زیادہ اہمیت دی جاتی ہے، اسلام زندگی کی کوالٹی کو جس میں سکون قلب، فرصت، غور و فکر، دوست داری اور مہمان نوازی شامل ہیں خصوصی اہمیت دیتا ہے، یہ حقیقت مغرب کے بہت سے لوگوں کے لئے باعث توجہ ہونی چاہیئے، جو احمقانہ مادیت سے خوفزدہ ہیں

(جاری)

بمبئی کے قارئین "تعمیر حیات" سے

بمبئی کے قارئین "تعمیر حیات" حضرات سے گذارش ہے کہ "تعمیر حیات" کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائیگی۔

ALAUDDIN TEA
Tea Merchants
44, Haji Building,
S.V. Patel Road, Null Bazar, Mumbai 400 003.
Tele: Add CUPKETTLE Tel.: 346 0220 / 346 8706
Tel.(R): 309 5652

۱۲ نمبر اور ۱۲×۷ کی
اسپیشل چائے استعمال کیجئے۔

سیرت نبویؐ پر اپنے طرز کی ایک منفرد کتاب

"چند دن نبی رحمتؐ کے ساتھ"

● حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی مدظلہ العالی

چند دن۔ حیات مستعار کے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں آپ کی سنت مطہرہ کے سایہ میں گذر جائیں تو بیڑا پار ہے یہی دل کی تمنا ہے اسی کی حسرت و آرزو ہے۔ یہی ایک مومن کا اثاثہ اور یہی اس کی دولت اور سرمایہ ہے۔ اس راز کو سمجھ کر سمجھانے والے مولانا محمد الیاس ندوی نے محبت و فدائیت کے پھولوں کی ڈالی سجائی ہے جو اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے سامنے پیش کی ہے۔

عزیز موصوف ایک جواں سال و جواں قلم مؤلف ہیں اور اس کے ساتھ جواں بخت بھی ہیں۔ انھوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں صرف تعلیم ہی نہیں حاصل کی بلکہ مخدوم و مربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی بھی حاصل ہے حُبّ نبویؐ کی دولت ان کے حصہ میں آئی اور سیرت نبویؐ کے وسیع مطالعہ سے جو نقشہ ان کے ذہن پر اترا اس کو نوک قلم سے مجسم بنا کر ایک رسالہ کی شکل میں پیش کیا ہے جس میں مدینہ منورہ کی بستی کا ایک منظر ہے، کاشانۂ نبوتؐ اور مسجد نبوی کا وہ نقشہ ہے جو تاریخ و سیر کی کتابوں میں ملتا ہے، کھجور کے تنوں پر کچے اینٹوں سے بنا ہوا حجرۂ رسول کریمؐ اور مٹی کے فرش پھوس کی چھت پر قائم مسجد نبویؐ پتھر اور کنکر سے تعمیر کیا ہوا چبوترہ محبت کی نگاہ میں ایک قصر سلطانی نہیں ہزاروں قلعوں سے زیادہ پر رونق، لاکھوں فلک بوس عمارتوں سے اونچا ہے وہ شہر جس میں "شہر خوبی" کا کاشانہ ہے جو آسمانی عظمت کا شامیانہ معلوم ہوتا ہے، وہ چبوترہ جس پر فاقہ کش و مفلوک الحال مزدور پیشہ صحابہ کرامؓ قیام پذیر تھے، تاریخ نے اس کو ایک عظیم دانشگاہ قرار دیا ہے۔ جس کا معلم معلم انسانیت آبروئے بشریت، امی لقب مگر پیکر دانش و حکمت تھا۔ اللہ کا ہزاروں سلام ہو اس کی ذات والاصفات پر۔

مولانا محمد الیاس ندوی استاد جامعہ اسلامیہ بھٹکل (کرناٹک) نے بہت حسین پیرائے میں، حسین اسلوب میں اور حسین طرز نگارش میں یہ مختصر کتاب مرتب کی ہے جو ضخیم کتابوں پر بھاری ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات کا وہ حصہ آگیا ہے جو ایک متبع سنت کیلئے بیش بہا خزانہ ہے زبان شستہ بیان میں روانی اور اسلوب میں محبت کی دلآویزی ہے، عروس جمیل کے لئے جس لباس حریر لازمی ہے اسی طرح سرور کائنات کا ذکر، دل کی آواز، محبت کا نغمہ اور عشق کا جذبہ چاہتا ہے "چند دن نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ" ایک سو صفحہ کا یہ کتابچہ عشق و محبت کا دیباچہ ہے، اور اس میں دعوت دین بھی ہے اور اپنے جذبہ فدائیت کے تسکین کا سامان بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو قبول فرمائے مولانا موصوف نے پہلے ٹیپو سلطان کی سرفروشانہ زندگی اور باغیرت شخصیت پر ایک مکمل دستاویز تیار کی ہے اور احادیث نبویہ میں جن مقامات شہر اور عمارتوں کا ذکر آتا ہے، ان کو ارض الحدیث کے عنوان سے ایک ریسرچ کے طور پر پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے جو عنقریب اسلامی کتب خانہ کی زینت میں اضافہ کا سبب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ مولانا محمد الیاس ندوی کو ان بیش بہا خدمات کی انجام دہی کیلئے سلامت بکرامت رکھے۔

ناشر: مکتبۃ الحسنات ٢٢٤١ کوچہ چیلان دریا گنج نئی دہلی
ملنے کا پتہ:۔ دارالعلم ٣١ محمد علی روڈ بھٹکل ٥٨١٣٢٠

یہ خدا کے رسولؐ کی بات ہے

● ڈاکٹر محبوب راہی

جو مہک رہا ہے جہاں تہاں، اسی گل اسی پھول کی بات ہے
یہ خدا کے نبیؐ کا ہے تذکرہ، یہ خدا کے رسولؐ کی بات ہے
ہے قرآن خزینۂ بے بہا، ہر اک حرف جس کا جہاں نماں
کوئی لفظ جس میں نہ بیش و کم، نہ کوئی فضول کی بات ہے
ہے عرش جو ہے لکھا ہوا، شہ دنیا و دیں نے وہی کیا
وہی شرق و غرب کی بات ہے، وہی عرض و طول کی بات ہے
یہاں چل اے راہی بے عمل تو ادب سے سر کو جھکا کے چل
ہے دیار نبیؐ کا معاملہ، یہ در رسولؐ کی بات ہے

دعائے مغفرت

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاذ حدیث مولانا نیاز احمد صاحب کے بھائی کی اہلیہ کا ١٩/ فروری ٢٠٠١ء کو مئو میں اچانک انتقال ہوگیا

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے۔

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

ماہ محرم کی حقیقت

● عاتکہ ہاشم

شعائر اسلام کی حفاظت کرنا خصوصاً ان بڑی عبادات کی نگہداشت کرنا جن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارکان عملیہ قرار دیا ہے اور جن پر اسلام کی عظیم الشان بنیاد رکھی گئی ہے، مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج بیت اللہ شریف، معاشرے کے تمام افراد کی تربیت کرنا تاکہ وہ ان شعائر کا احترام کریں اور ان کی عزت و توقیر بجالائیں، دلوں میں شعائر اسلام سے محبت رچ بس جائے اور مسلمانوں کو اخلاص و امانت کی تعلیم دینا ان کو صحیح اور مناسب انداز سے دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کی ترغیب دینا اور جو افراد ان کے حقوق کو ادا کرنے میں کوتاہی سے کام لے رہے ہیں ان کو تاکید کرنا اگرچہ یہ عبادات و شعائر خود بڑی اہمیت کے حامل ہیں اور لوگوں کے دلوں کو ایمان سے منور کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہیں، لہٰذا جس طرح ماہ رمضان کی لوگ تعظیم کرتے ہیں کیونکہ اس میں قرآن کریم نازل ہوا۔ اور اسی ماہ مبارک میں ایسی بابرکت رات ہے جو کہ ہزاروں راتوں سے افضل ہے، اس طرح محرم الحرام بھی ایسا مہینہ ہے جس میں عشرۂ محرم کی بڑی فضیلت احادیث نبویؐ میں آئی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بہترین روزہ رمضان کے بعد محرم کا ہے اور بہترین نماز فرض کے بعد تہجد کی ہے، کسی نے آپؐ سے دریافت کیا یا رسول اللہؐ عاشوراء کے روزہ کی کیا فضیلت ہے آپؐ نے فرمایا: عاشوراء کا روزہ گذشتہ سال کے گناہوں کا کفارہ ہے اسی لئے آپؐ محرم کی دسویں کو خود بھی روزہ رکھتے تھے۔ اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ تو یہودیوں کی مخالفت کرتے ہیں اور اس دن تو یہودی روزہ رکھتے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: یہودی اس لئے روزہ رکھتے ہیں کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے ظلم سے نجات ملی اور موسیٰ علیہ السلام ہمارے بھی نبی تھے لہٰذا ہم زیادہ حقدار ہیں کہ اس دن روزہ رکھیں، لیکن یہودی ایک روزہ رکھتے ہیں۔ اگر میں آئندہ سال حیات رہا تو انکی مخالفت میں دو روزے رکھوں گا۔

یوم عاشوراء کی بہت سی خصوصیات جہاں انبیاء علیہم السلام کی طرف نسبت رکھتی ہیں وہیں عاشوراء کے دن نواسۂ رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا بھی واقعہ پیش آیا، لیکن افسوس کہ لوگوں نے اس میں بدعات و خرافات نکال لی ہیں جو ناواقفیت کی بناء پر اسلام کے ساتھ چپیاں ہوگئی ہیں جن کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے، اہل سنت والجماعت کا ان بدعات و خرافات سے کسی بھی نوع کا تعلق نہیں ہے اور نہ ہی اسلامی شریعت میں حادثہ کربلا کے سلسلہ میں کوئی ہدایت موجود ہے۔ مگر جیسے جیسے دور رسالت سے دوری ہوتی گئی بہت سے غیر شرعی مراسم مسلمانوں میں پیدا ہوتے گئے رافضیوں کی کوششوں اور ان کے اثرات کے باعث ماہ محرم میں بہت سی بدعتیں مسلمانوں میں پھیل گئیں اگر اس سلسلہ میں ماضی کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو واقعہ کربلا کے تقریباً تین ساڑھے تین سو سال تک بھی مروجہ رسوم و بدعات کا کوئی وجود نہ تھا، چنانچہ تعزیہ رکھنا، ماتم کرنا، نوحہ کرنا، گریہ و زاری کرنا اس ماہ میں شادی بیاہ کو منحوس سمجھنا یہ سب شیعوں کے عقائد و خیالات کے سبب سے ہیں اور شیعوں نے ان افعال شرکیہ میں ناواقف سُنیوں کو بھی شریک کرلیا ہے وہ بھی حضرت حسینؓ کی محبت میں آکر بری اور غیر شرعی باتوں کا شکار ہوگئے ہیں، جبکہ احادیث نبویہ آثار صحابہؓ اقوال سلف صالحینؒ ماتم حسینؓ اور کربلا کی یادگار قائم کرنے والوں کے بارے میں سخت مخالف رہے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: لیس منا من ضرب الخدود وشق الجیوب ودعا بدعوی أهل الجاهلية، جو رخساروں کو پیٹے، گریبان چاک کرے اور دور جاہلیت جیسی نوحہ خوانی کرے اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اسی طرح نہج البلاغۃ جو شیعوں کی مستند کتاب ہے اس میں یہ مذکور ہے کہ حضرت حسنؓ و حسینؓ کی شہادت کے بعد خاندان کے کسی فرد نے آہ و بکا، نوحہ خوانی اور اس طرح کے غلط رسومات کو فروغ نہیں دیا ہے،

ہمارا مقصد ان ناواقف سنی عوام کی اصلاح ہے جو تعزیہ داری کرتے ہیں یا شیعوں کی ماتمی مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں اور محرم کی دیگر رسموں کو مناتے ہیں اگر آپ امت کے فتاویٰ پر نظر کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ امت کے

مختلف عقائد و خیالات رکھنے والے عالموں میں سے کسی نے بھی ان مراسم کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا بلکہ بعض نے ناجائز بعض نے مکروہ تحریمی اور اکثر نے حرام اور مشرکانہ فعل لکھا ہے، نہایت افسوسناک بات ہے کہ شیعوں کی دیکھا دیکھی یا باہمی رواداری اور مصلحت پسندی میں ان کاموں کو کیا جائے جن کا دین سے ذرہ برابر بھی کوئی تعلق نہیں ہے، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"لوجاز ان یتخذ یوم موتہ یوم مصیبۃ لکان یوم الاثنین اولیٰ بذلك اذا قبض اللہ تعالیٰ نبیہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وکذلك ابوبکر الصدیق قبض فیہ"

اگر حسینؓ کی یوم وفات کو یوم ماتم کہنا جائز ہوتا تو اس سے کہیں زیادہ حقدار دوشنبہ کا دن ہے کہ اس روز اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات فرمائی اور اسی دن حضرت ابوبکرؓ کی وفات ہوئی۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا ارشاد ہے کہ محرم میں تعزیہ بنانا اور بناوٹی قبریں بنانا ان پر منت چڑھانا اور ربیع الثانی کے مہینے میں مہندی روشن کرنا اور اس پر منتیں چڑھانا شرک ہے (فتاویٰ عزیزیہ ص ۱۴۷) درحقیقت ماتم و گریہ وزاری ہر حالت میں منع ہے جیسا کہ حضرت علیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ یا رسول اللہ اگر آپ نے ہمیں چیخنے چلانے سے منع نہ کیا ہوتا تو آج ہم آپؐ کی وفات پر اتنا روتے کہ بدن کی تمام رطوبت ختم ہو جاتی۔

بے شک سیدنا حضرت حسینؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ تو ہمیں اعلیٰ درجہ کا سبق دیتا ہے۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں نے اسے گمراہی کا ذریعہ بنالیا صحیح حدیثوں سے صرف اتنا ثابت ہے کہ اس ماہ میں روزے رکھنا چاہیے، تعزیہ کا حکم نہ تو قرآن مجید میں ہے اور نہ حدیثوں میں ہے نہ صحابہؓ نے ایسا کیا نہ تابعین اور نہ چاروں اماموں میں سے کسی نے اس کے کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سنہ ۶۱ھ میں ہوئی اس کے انیس ۱۹ سال بعد سنہ ۸۰ھ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے اور سنہ ۱۵۰ھ میں انتقال ہوا۔ لیکن ستر سال کی عمر میں کسی محرم میں نہ آپ نے تعزیہ داری کی اور نہ اس کا حکم دیا۔ تحقیق کرنے سے معلوم ہوتا ہے سنہ ۳۴۱ھ میں تعزیہ داری اور ماتم کا رواج "معزالدولہ" حاکم عراق کے حکم سے جاری کیا گیا۔ دسویں محرم کو تمام بازار بند کر کے ماتم کرنے کا حکم حکومت کی طرف سے دیا گیا اور ہندوستان میں یہ بدعت امیر تیمور لنگ (جو نہایا شیعہ تھا) کے زمانہ میں سنہ ۸۰۱ھ سے شروع ہوئی اور سنہ ۹۶۲ھ میں ہمایوں بادشاہ بیرم خاں کو بھیج کر چھیالیس ۴۶ تولہ کا زمردی تعزیہ منگوایا۔ یہ ہے پہلا تعزیہ جو ہندوستان میں آیا پھر یہ رسم چل پڑی اور شیعوں کی اس تعزیہ پرستی میں بھولے بھالے سنی حضرات بھی پھنس گئے۔ تب سے اب تک یہ رواج ترقی پذیر ہے

افسوس صد افسوس کہ فرقہ روافض کی نقل میں بھولے بھالے اکثر مسلمانوں نے اپنے کردار کو پست سے پست تر کر لیا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیتؓ کی تحقیر اور تذلیل کو اپنا نصب العین بنا لیا اور اس طرح محبت حسینؓ و اہل بیت کا دعویٰ کرتے ہیں جو کہ غیر اسلامی فعل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ" (سورہ آل عمران) (یعنی جو بھی اسلام کے سوا کوئی اور طریقہ اختیار کریگا اس کو قبول نہ کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگا)

بہرحال تعزیہ کو شرک و بدعت کہنے اور اس کو گمراہ کن مذہبی رسم قرار دینے میں سارے علماء (باوجود دوسرے نظریاتی اختلافات کے) متفق ہیں۔ (باقی ص ۱۵ پر)

قنوج کے قدیم مشہور و معروف کارخانہ سے تیار کردہ خوشبودار عمدہ و اعلیٰ عطریات "شمامۃ العنبر، عطر گلاب، روح خس، عطر موتیا، عطر حنا، عطر گل، عطر کیوڑہ اس کے علاوہ فرحت بخش، دیرپا خوشبو ہول سیل ریٹ پر ملتے ہیں۔ ایک بار آزما کر خدمت کا موقع دیں۔

فون نمبر ۳۴۳۴۵

محمد لیسین محمد یامین تاجران عطر

ایکسپورٹر اینڈ امپورٹر۔ قنوج۔ یوپی

آئیڈیل پرفیوم سینٹرز پرائیوٹ لمیٹڈ قنوج

سوال وجواب

محمد طارق ندوی

س:۔ ایک شخص نے زندگی میں کبھی نماز نہیں پڑھی تو کیا اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی؟

ج:۔ ہاں اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

س:۔ کیا ایک شخص بیماری کے سبب بیٹھ کر نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے؟

ج:۔ مجبوری کے سبب نماز جنازہ بیٹھ کر پڑھنا درست ہے۔

س:۔ موت کی تمنا کرنا شرعاً کیسا ہے؟

ج:۔ کسی بیماری، تنگدستی یا دنیاوی تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا کرنے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے اگر وہ گنہگار ہو تو اپنے گناہوں کی معافی مانگ لے گا اور اگر نیک ہوگا تو مزید نیک اعمال کرے گا۔ (بخاری و مسلم)

س:۔ کیا موت کے وقت اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی امید رکھنے کے بارے میں روایت سے ثبوت ہے؟

ج:۔ روایت سے اس بات کا ثبوت ہے کہ موت کے وقت اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی امید رکھنا چاہیے حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبیؐ کو وفات سے تین روز پیشتر یہ فرماتے سنا ہے کہ سنو تم میں سے کسی کو موت نہ آئے۔ مگر اس حال میں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھنے والا ہو۔

س:۔ کیا عورتیں جنازہ اٹھا سکتی ہیں؟

ج:۔ نہیں! جنازہ خواہ مرد کا ہو یا عورت کا، اسے صرف مرد اٹھائیں گے، عورتیں نہیں اٹھائیں گی۔

س:۔ میت کو غسل دینے کا شرعاً کیا ثواب ہے؟

ج:۔ حضرت معاویہ بن خدیجؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا جس شخص نے کسی میت کو غسل دیا اسے کفن پہنایا اور اس کے جنازہ کے ساتھ گیا تو وہ اس طرح لوٹتا ہے کہ اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں (احمد)

س:۔ میت کو قبر میں اتارتے وقت کون سی دعا پڑھنا چاہیے؟

ج:۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میت کو قبر میں رکھو تو یہ دعا پڑھو۔ بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ (نسائی)

ترجمہ: اللہ کے نام کے ساتھ اور اللہ کے رسول کی ملت پر

س:۔ جاں کنی کے وقت مرنے والے کے قریب سورہ یٰسین پڑھنے کے بارے میں کیا حدیث سے کوئی ثبوت ہے؟

ج:۔ ہاں! ایسا کرنا مستحب ہے حضرت معقل بن یسارؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورہ یٰسین قرآن کا دل ہے، کوئی شخص اسے اللہ کی رضامندی اور آخرت کی نجات حاصل کرنے کی نیت سے تلاوت کرتا ہے تو ضرور بخش دیا جاتا ہے، اس کو اپنے مردوں پر تلاوت کرو۔ (احمد، ابوداؤد، نسائی)

س:۔ شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟

ج:۔ احناف کے یہاں شہید کو غسل نہیں دیا جائیگا لیکن اس کی نماز جنازہ ہر میت کی طرح پڑھنا ضروری ہے

اعلان ملکیت و دیگر تفصیلات فارم ۴ رول ۸

مقام اشاعت:	مجلس صحافت و نشریات دارالعلوم ندوۃ العلماء بادشاہ باغ لکھنؤ
مدت اشاعت:	پندرہ روزہ
مدیر مسئول:	شمس الحق ندوی
قومیت:	ہندوستانی
پتہ:	دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
پرنٹر پبلشر کا نام:	اطہر حسین
قومیت:	ہندوستانی
پتہ:	۳/۱ عدنان پلی متصل حرا پبلک اسکول رنگ روڈ دوبگا۔ پوسٹ کاکوری لکھنؤ
مالک کا نام:	مجلس صحافت و نشریات دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

میں اطہر حسین تصدیق کرتا ہوں کہ متذکرہ بالا امور میرے علم و یقین سے صحیح ہیں۔

حیدرآباد میں دو علمی تقریبات

میں

ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی شرکت

رپورٹ: ——— نمائندہ تعمیر حیات

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی میموریل سینٹر اور المعہد الاسلامی حیدرآباد کی دعوت پر ندوۃ العلماء کے ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ اور استاذ دارالعلوم مولانا نذر الحفیظ ندوی نے حیدرآباد کا سفر کیا تاکہ اول الذکر کی جنرل لائبریری کے افتتاح اور ثانی الذکر کی نئی عمارت کے سنگ بنیاد کی تقریب میں شرکت کرسکیں چنانچہ مورخہ ١٠/فروری کی شام کو میموریل سینٹر کی لائبریری کا افتتاح ہوا، اور ١٨/فروری کی دوپہر کو المعہد الاسلامی کی نئی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

١٠/فروری کی شام کو مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی میموریل سینٹر کی لائبریری کے افتتاح کے موقع پر حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی مدظلہ نے خطاب فرمایا اور لائبریری کے قیام کو ذہن سازی اور دعوتی مقاصد کی تکمیل کیلئے ایک مفید قدم قرار دیا۔ مولانا نذر الحفیظ ندوی نے مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی اس دلچسپی کا ذکر کیا جو ملت اسلامیہ کے افراد کے ذہن کو اسلام کی تعلیمات پر گامزن ہونے اور اس کے راہ اعتدال پر واپس لانے کیلئے لٹریچر کی اشاعت کو ذریعہ بنائے ہوئے تھی، یہ بہت اچھی بات ہے کہ مولانا کے نام کے سے موسوم یہ سینٹر یہ اہم کام انجام دے رہا ہے۔ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے اس لائبریری کا افتتاح کرتے ہوئے توجہ دلائی کہ لٹریچر اور ذرائع ابلاغ کو موجودہ زمانہ میں جس طرح ایک فعال ذریعہ بنالیا گیا ہے اور اس کے ذریعہ جو اثرات ڈالے جاتے ہیں وہ بہت زیادہ کارگر ہوتے ہیں۔ ان کے ذریعہ ذہنوں میں انقلاب لایا جاتا ہے مولانا نے مستشرقین اور مغرب کے مفکرین کی علمی و تحقیقی جدوجہد کا ذکر کرتے بتایا کہ یہ لوگ اپنی ان صلاحیتوں سے کام لے رہے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مسلسل مہم چلا رہے ہیں، مسلمانوں کا جدید تعلیم یافتہ، جدید طرز پر لکھی ہوئی کتابوں سے متاثر ہوتا ہے اور خود اپنے مذہب سے بدگمانی میں مبتلا ہوجاتا ہے، بلکہ اس کا دشمن بن جاتا ہے، ضرورت ہے کہ مفید اور طاقتور صالح تعمیری لٹریچر کی تیاری سے ان شکوک کا ازالہ کیا جائے جو مغرب کی شک آفریں تہذیب ثقافت نے عالمگیر پیمانے پر پیدا کردیا ہے، مولانا نے فرمایا کہ ہم کو امت کے افراد کو ایسا لٹریچر دینے اور اس کو اسلام کی طرف راغب کرنے کی ضرورت ہے جو مضر اثرات کا مداوا کرسکیں اور مفید اثرات پیدا کرسکیں، مولانا نے امید ظاہر کی کہ یہ کام اس لائبریری کے ذریعہ بخوبی انجام پائے گا یہ ہمارے دور کی بنیادی ضرورت ہے۔

میموریل سینٹر کے ذمہ دار جناب غلام محمد صاحب انجینئر نے شکریہ ادا کیا، مولانا سید راشد نسیم نے جلسہ کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی اور ندوۃ العلماء کے وفد کو خوش آمدید کہا۔

١٨/فروری کو ٹولی چوکی کے مقام پر المعہد الاسلامی کے نئے کیمپس کی سنگ بنیاد کے موقع پر جو جلسہ ہوا اس کو مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ، مولانا نذر الحفیظ ندوی اور مفسر قرآن مولانا عبدالکریم صاحب پاریکھ نے خطاب کیا، جلسہ کے آغاز میں معہد کے ناظم مولانا سید راشد نسیم ندوی نے درسگاہ کا تعارف کراتے ہوئے اس کے اغراض و مقاصد اور عزائم پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے کہا کہ آج مولانا علی میاں علیہ الرحمہ ہمارے درمیان نہیں رہے لیکن آپ کی فکر اور آپ کا مشن باقی ہے آپ کی یہ دوری قالب کی دوری تو ہوسکتی ہے لیکن قلب کی دوری نہیں، چنانچہ اسی وجہ سے ہم لوگوں نے اس مرکز کو قائم کیا ہے تاکہ یہاں سے حضرت مولانا کی مختلف الجہات، علمی، اصلاحی، تبلیغی اور دعوتی سرگرمیوں کو جاری رکھ سکیں آپ کی تصانیف کی نہ صرف نشر و اشاعت بلکہ علاقائی زبانوں میں ان کی منتقلی کا کام کیا جائے گا۔ المعہد الاسلامی کے ناظم نے مزید کہا کہ یہ درسگاہ دراصل ندوۃ العلماء کے نصاب اور نقطۂ نظر اور اس کے نصاب سے ہم آہنگی کے ساتھ قائم کی گئی ہے، یہ ادارہ اس علاقہ و شہر میں ندوۃ العلماء کا نمائندہ ادارہ ہوگا۔ اور ان تعلیمی اور تربیتی مقاصد کو پورا کرے گا، جن کو ندوۃ العلماء نے آج سے ایک صدی قبل ہی سے اپنایا تھا اور اس کے تحت نئی نسل کی تعلیم و تربیت کا فرض وقت کے تقاضوں اور مسلمانوں کو ملی زندگی کے مطالبات کو سامنے رکھ کر انجام دیا۔ اس درسگاہ نے ندوۃ العلماء ہی کے نصاب اور نظام کو اپناتے ہوئے کام کرنے کا ارادہ کیا ہے اور ہم کو اس بات پر یقین ہے کہ ملت اسلامیہ کے نئے جدید دور میں ایسے ہی جامع نقطۂ نظر کے مطابق یہ کام انجام دے گا۔ اس نے اپنے پیش نظر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے کام اور پیغام کو رکھا ہے۔ اس کی روشنی میں یہ ادارہ آگے بڑھے گا۔ اور انشاء اللہ یہ جنوبی ہند کے اس علاقہ کی اہم ضرورت کی تکمیل کا ایک ذریعہ ثابت ہوگا۔ ناظم المعہد الاسلامی نے بتایا کہ الحمدللہ اس علاقہ کے اہل فکر حضرات سے پورا تعاون مل رہا ہے

مولانا عبدالکریم پاریکھ اور مولانا نذر الحفیظ ندوی نے ذمہ داران ادارہ کے ان نیک مقاصد اور ارادوں کی تحسین کی اور اس بات کی پوری تائید کی کہ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے تعلیم و تربیت اور ارشاد و دعوت کے کاموں کیلئے جس فکر مندی اور جذبۂ عمل کا ثبوت دیا اور جو حکیمانہ انداز اختیار فرمایا اور جس طرح مخلصانہ خدمات انجام دیں اس نے ہم سب کے لئے بڑی مفید راہ عمل تعین کردی ہے وہ ہم کو اب اس راہ پر چل کر دین و ملت اور ملک و قوم دونوں کی خیر خواہی کا ثبوت دینا ہے۔ ان دونوں حضرات نے امید ظاہر کی کہ یہ ادارہ اس علاقہ میں اپنی انفرادیت اور افادیت کا ثبوت فراہم کرے گا۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا کہ ندوۃ العلماء کو ایک سو سال سے زیادہ ہوچکے ہیں اس کے عظیم بانیوں نے اسی وقت محسوس کرلیا تھا کہ مغربی علم و تمدن نے ملت اسلامیہ کے لئے نئے چیلنج کھڑے کردیئے ہیں۔ ان کے مقابلے کے لئے جن صلاحیتوں کی ضرورت ہے ان کو مسلمانوں کی دینی درسگاہوں کو قبول کرنا چاہیئے اور ملت کو مغرب کی ذہنی غلامی سے بھی بچانا چاہیئے۔ اس کے لئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے خود اپنے کردار اور اپنے فکر و عمل سے اس کی عملی مثال پیش کی کہ ایک طرف تو علوم دینیہ میں وہ پختگی ہو کہ ملت کو اس کی ضرورت کے لئے ممتاز و لائق علماء تیار ہوں دوسری طرف ہمارے یہ علماء زمانہ کے رخ اور اس کے تقاضوں کو سمجھیں اور اس کیلئے ضروری وسائل اختیار کریں، تیسرے یہ کہ باطل طاقتوں نے اسلام اور ملت اسلامیہ کو جس طرح اپنے معاندانہ ذہنی رجحانات کا نشانہ بنایا ہے اس کا مقابلہ کرسکیں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے خود اپنے کو ان مختلف پہلوؤں میں ہی کوشاں بنایا۔ چنانچہ ایک طرف انھوں نے علوم دینیہ کی اعلیٰ تحصیل کا کام بھی کیا دوسری مغرب کے اسلام مخالف ذہن کے اثرات کو روکنے اور ختم کرنے کے لئے تصنیف و تالیف اور خطابت و گفتگو کے ذریعہ مفید ترین خدمت انجام دی، دوسری طرف پورے عالم اسلام میں اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہونچانے والے ذہن کے اثرات کو روکنے اور ختم کرنے کیلئے اپنی علمی، ادبی صلاحیتوں کو پوری طرح استعمال کیا۔ اور تصنیف و تالیف اور خطابت و گفتگو کے ذریعہ بڑی خدمات انجام دیں اور اس کام کے لئے اہل اور قابل افراد تیار کرنے کی طرف پوری توجہ دی۔ یہ بڑی مسرت کی بات ہے کہ حیدرآباد میں جو مسلمانوں کا ایک اہم شہر اور ان کے تہذیبی و ثقافتی مرکز کی حیثیت رکھتا ہے ایک ایسا ادارہ قائم کیا ہے جو ندوۃ العلماء کے عظیم مقصد اور طریقہ کار کو اپنے لئے نمونہ بنا کر کام کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ جس کے لئے مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی شخصیت ایک قابل تقلید مثال ہے۔ میں ندوۃ العلماء کی طرف سے اعلان کرتا ہوں کہ ندوۃ العلماء کی طرف سے جو ممکنہ تعاون ہے انشاء اللہ اس کو دیا جائے گا۔

امیر جماعت تبلیغ جناب نعیم اللہ خاں صاحب کی دعا پر جلسہ ختم ہوا۔ اس کے معاً بعد مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی مدظلہ نے سنگ بنیاد رکھا۔

حیدرآباد آمد کے پہلے ہی دن دارالعلوم سبیل السّلام میں ماحولیات کے موضوع پر ایک سمپوزیم کے انعقاد کا پروگرام ہوا جس میں مہمان خصوصی پروفیسر ڈاکٹر شمیم جیراجپوری وائس چانسلر مولانا آزاد یونیورسٹی تھے جلسہ سے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب اور مولانا عبدالکریم صاحب پاریکھ نے خطاب کیا۔ آغاز میں ناظم دارالعلوم سبیل السلام مولانا محمد رضوان القاسمی نے ماحولیات کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر کی وضاحت کی اور شرکائے مجلس کا تعارف کرایا۔

حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی مدظلہ نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ سائنسی انکشافات ایجادات اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اس کی ربوبیت و خالقیت کا مظہر ہیں، خدا کی اس کائنات میں پھیلی ہوئی نشانیاں اور پورا آسمانی و زمینی نظام اس کے وجود اور صناعی کا واضح ثبوت ہیں سائنسی تحقیقات اور مختلف علوم و فنون کی ترقی سے انسانیت کی صلاح و فلاح اور ترقی و بہبودی مقصود ہو تو اس کے بہترین نتائج سامنے آتے ہیں اور اگر ان علوم و فنون کو تخریبی مقاصد کے تابع بنایا جائے۔ تو اس سے انسانیت تباہ و برباد اور نظام عالم فساد و انتشار سے دوچار ہوجاتا ہے صدر اجلاس نے ماحولیات و سائنس اور اسلامی نقطۂ نظر پر اپنی جامع اور مؤثر تقریر میں بتایا کہ اللہ کے دین اور شریعت سے منھ موڑ کر انسان زندگی گذارے تو پھر اس کی تمام تر علمی و سائنسی ترقیاں بے سود ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان، سورج و چاند اور کائنات کی

تمام چیزیں انسان کے فائدے کے لئے بنائی ہیں اس لئے ضروری ہے کہ تمام سائنسی ایجادات مخلوق کی نفع رسانی کیلئے استعمال ہوں اگر اس سے ذاتی انحراف پایا جائے گا تو یہ نظام فطرت سے بغاوت متصور ہوگا۔ مولانا نے مزید کہا کہ لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنے ماحول کو صاف بنائیں اور اعلیٰ انسانی و اخلاقی اقدار کو اپنائیں۔ انسانی ہمدردی اور تعاون کی فضا قائم کریں اور حقوق کی ادائیگی کرتے ہوئے صاف ستھری زندگی گذاریں تو ایک معقول و معتدل اور صحت مند معاشرہ وجود میں آسکتا ہے اور انسانوں کو انسانیت نواز ماحول اور شریفانہ سماج پیش کر سکتا ہے اور اس کے نتیجہ میں دنیا و آخرت کی سربلندی نصیب ہو سکتی ہے اس طرح کی مثالی معاشرے کی تشکیل نہ صرف انسانوں بلکہ حکومتوں کی بھی ذمہ داری ہے۔

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد پہلی بار حیدرآباد تشریف لائے تھے اسلئے بڑا رجوع رہا ہر طرف سے اصرار تھا کہ ان کے یہاں پروگرام ہو، اور انھیں بھی استفادے کا موقع دیا جائے اتنے بڑے شہر کیلئے تین دن کا وقت یہاں کے لوگوں کے شوق و تمنا کی تکمیل کیلئے ناکافی تھا۔ اسی بنا پر دونوں وقت پروگرام ہوتے رہے۔ اتوار ۱۸؍ فروری کو بنام انسانیت کا جلسہ بعد بعد مغرب برکت رحیم ہال گاندھی بھون میں رکھا گیا۔ جہاں بڑی تعداد میں مسلم اور غیر مسلم حضرات موجود تھے، سرکاری افسران بھی تھے۔ مولانا اس جلسہ میں مہمان خصوصی تھے مولانا محمد رضوان القاسمی نے جلسہ کے مقاصد پر روشنی ڈالی۔ انیس چشتی صاحب نے پیام انسانیت کے پلیٹ فارم کے تحت ہونے والے جلسوں اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اس مشن سے تعلق پر مؤثر انداز میں روشنی ڈالی۔ اور اس وقت اس طرح کے جلسوں کی جو اہمیت ہے اس کو واضح کیا حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی مدظلہ نے اپنے مختصر مگر جامع تقریر میں فرمایا کہ "آج کے دور میں انسان شعور و احساس سے عاری ہو گیا ہے وہ صرف اقتدار تعصب اور دولت کے حصول کیلئے سرگرداں ہے لیکن وہ بے خبر ہے کہ اس کے خود غرضانہ رویہ سے انسانی سوسائٹی پر کتنے مضر اثرات مرتب ہو رہے ہیں، مولانا نے ملک کے موجودہ حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت یہ ملک جنگل بنتا جا رہا ہے اسے پھر سے باغ بنانے کی ضرورت ہے، انسان سے جب کبھی انسانیت کی بات کی جاتی ہے تو وہ سنتا ہے اور اس کا اثر لیتا ہے، مولانا نے اس ملک کو ایسی کشتی سے تشبیہ دی جس کے اپر اور لوور کلاس میں دونوں طبقوں میں رہنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کشمکش کی سلامتی کی فکر کریں اور مشترکہ طور پر کوشش کرکے اس کو منزل مقصود تک پہونچائیں۔ اس کیلئے ضرورت ہے کہ ہم سب مشترکہ حکمت عملی اختیار کریں۔ رشوت ستانی اور بدعنوانی کو سب مل کر ختم کریں اور ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی کو ختم کرکے باہمی ہمدردی اور تعاون کی فضا پیدا کرنا ہوگا۔

قیام حیدرآباد کے آخری دن ممتاز عالم دین مولانا حمید الدین عاقل حسامی کے زیر اہتمام چلنے والے دارالعلوم کے اساتذہ و طلبہ سے مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے خطاب کیا۔ انھوں نے اپنے خطاب میں علم کی اہمیت اور علماء کی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی اور مدارس کے کردار کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ مدارس سارے عالم کے لئے پاور ہاؤس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر یہ مدارس نہ ہوں تو اسلام کا تحفظ مشکل ہو جائے، اور نئی نسل کے دین و ایمان کی حفاظت خطرے میں پڑ جائے۔ جامعہ کے معتمد جناب محمد رحیم الدین انصاری اور مولانا نور الدین اعظمی نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔

مولانا مدظلہ نے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے زیر نگرانی چلنے والے اس ادارہ المعہد العالی کا بھی معائنہ کیا اور اس میں "دینی دعوت اور عصر حاضر میں اس کی اہمیت" پر خطاب فرمایا۔

تبلیغی مرکز ملے پلی کی شاندار اور وسیع مسجد میں بعد نماز مغرب مولانا مدظلہ نے خطاب فرمایا جس میں اچھے مسلمان بننے اور دوسروں تک دعوت کو پہونچانے اور نئی نسل کے ایمان کی فکر پر زور دیا۔

۱۹؍ فروری کی شام کو حضرت مولانا کی قیادت میں یہ وفد بنگلور روانہ ہوگیا جہاں اس وفد نے تین دن کا انتہائی مصروف وقت گذارا۔ یہ وفد میسور بھی گیا۔

(سفر بنگلور و میسور کی رپورٹ آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔)

دُعائے مغفرت

دارالعلوم ندوۃ العلماء سے گذشتہ سال فارغ ہونے والے ایک طالب علم عبدالسلام کے والد جناب عبدالسبحان صاحب (مٹیا برج کلکتہ) کا ۲۲؍ ذیقعدہ سنہ ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۷؍ فروری سنہ ۲۰۰۱ء کی صبح بعد نماز فجر انتقال ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ۔ قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے

ندوۃ العلماء کے ہونہار طالب علم محمد زبیر بھٹکلی کا انتقال

● عبدالعلیم الخطیب بھٹکلی —

۲۸؍ ذی قعدہ سنہ ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۳؍ فروری سنہ ۲۰۰۱ء کی شب میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ہونہار طالب علم حافظ محمد زبیر ندوی بھٹکلی کا اچانک انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ان کا تعلق بھٹکل کے ایک مشہور خاندان سے تھا۔ ابتدائی تعلیم اور حفظ قرآن کی تکمیل دارالعلوم ندوۃ العلماء کی ایک مشہور شاخ جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں ہوئی۔ پھر اگلے مراحل کی تکمیل کیلئے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے اور یہاں کے معہد خصوصی سے اپنا علمی سفر شروع کیا عالیہ رابعہ تک آٹھ سال کے عرصہ میں عالمیت مکمل کی اس دوران ایک سال کا عرصہ انھوں نے سکھیم پور میں واقع ندوہ کی ایک شاخ میں گزارا ندوہ میں قیام کے دوران طلباء اور اساتذہ سے ان کا بہت مخلصانہ ربط رہا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی حیات میں برابر ان کی مجلسوں میں شرکت کرتے اور ان کی باتوں کو نوٹ کرکے دوسروں کو سناتے رہتے تھے، ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کرنے والے اپنے ہم وطن طلبا کو بھٹکل سے ندوہ کے آنے اور واپس لے جانے نیز نئے طلباء کی داخلہ کی کارروائیوں کو مکمل کرنے کا کام اپنی ذمہداری سمجھ کر انجام دیتے تھے اسی طرح چھٹیوں میں جب گھر جاتے تو محلہ کے لوگوں سے ملاقات کرنا نوجوانوں کو جوڑنا مکاتب و مدارس کا جائزہ لینا، دعوتی کام میں حصہ لینا ان کا معمول بن گیا تھا۔ اکثر و بیشتر اپنی چھٹیوں کا کچھ حصہ دعوت و تبلیغ کی محنت میں لگا دیتے تھے۔ ندوہ میں تعلیم کے ساتھ ساتھ یہاں کی دوسری علمی سرگرمیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور دوسروں کی بھی ہمت افزائی کرتے تھے، عالیہ رابعہ کی تکمیل کے بعد امسال وقت کی کمی کے باعث فضیلت ثانی میں بخاری شریف وغیرہ کی سماعت کی خصوصی اجازت لی تھی اور قال اللہ وقال الرسول کی صداؤں سے اپنے دل و دماغ معطر و منور کر رہے تھے کہ اچانک وقت موعود آپہونچا سیرت کی کتاب "نبی رحمت" کا مطالعہ کرتے ہوئے فوراً جان جان آفریں کے سپرد کر دی اور ہم سے رخصت ہوگئے۔ نماز جنازہ ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے پڑھائی اور تدفین تک خود مع تمام اساتذہ و ذمہ داران کے مکمل طور پر سامنے رہے۔ انتقال کے وقت مولانا مدظلہ بنگلور میں تھے فون سے اطلاع دی گئی تو وہیں سے ان کے والد سے رابطہ قائم کرکے تعزیت کی بنگلور سے اسی دن براہ بمبئی واپسی تھی چنانچہ نماز جنازہ کے وقت لکھنؤ پہنچ گئے تھے معتمد تعلیم مولانا عبداللہ عباس ندوی اور مہتمم دارالعلوم مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی نے بھی فون پر ان کے والد صاحب سے تعزیت فرمائی۔

دوسرے دن بعد نماز عشاء دارالعلوم کے ہوسٹل رواق عبدالحی کے وسیع ہال میں طلبہ کی طرف سے مرحوم کی یاد میں تعزیتی جلسہ بھی منعقد ہوا جس میں طلباء کے علاوہ مختلف اساتذہ کرام و ذمہ داران خصوصاً مولانا عبداللہ عباس ندوی معتمد تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء اور مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء، نے بھی شرکت فرمائی اور اپنے اپنے جذبات و احساسات کا مختلف انداز میں اظہار کیا اور مرحوم کے نمایاں اوصاف و کردار، اخلاص و للہیت، تواضع و خاکساری کا ذکر فرماتے ہوئے ان کے انتقال کو اہم سانحہ قرار دیا جلسہ میں مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی، مولانا محمد خالد صاحب غازی پوری ندوی و مولوی محمد امین ندوی، مولوی عبدالسلام ندوی نے بھی اپنے تأثرات بیان کئے۔ اس دن دارالعلوم میں چھٹی کر دی گئی تھی۔ طلباء پر اپنے ایک مخلص دوست کی جدائی کا غیر معمولی اثر تھا۔ اساتذہ و طلبہ کے علاوہ دارالعلوم کے احاطہ میں رہنے والے سبھی ملازمین اور دوکانداروں نے بھی جنازہ اور تدفین میں شرکت کی۔ شہر کے لوگ بھی اچھی خاصی تعداد میں آگئے تھے، خاص طور سے ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی صاحب جن کو ندوہ اور اہل ندوہ سے گہرا تعلق ہے۔ اپنی معذوری کے باوجود جنازہ میں شرکت کے لئے تشریف لائے۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

پانی اور طلاق

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے زمانے میں ایک شخص نے اپنی بیوی سے پانی مانگا وہ پیالے میں پانی لائی، ابھی وہ لا ہی رہی تھی کہ کسی بات پر رنجیدہ ہوکر اس کے شوہر نے کہا میں یہ پانی نہیں پیوں گا۔ اگر میں اس پانی کو پیوں تو تجھے طلاق۔ اور اگر تو پئے تو طلاق، اور اگر اس پانی کو کوئی دوسرا پئے تو طلاق، اور اگر زمین پر بہائے تو طلاق، وہ عورت بے چاری بہت پریشان ہوگئی کہ اب طلاق سے بچنے کی کوئی صورت نہیں، اس مسئلہ کو لیکر وہ عورت حضرت امام ابوحنیفہؒ کے پاس گئی اور پورا واقعہ بیان کیا، امام صاحب نے فرمایا فوراً جاؤ اور اس پیالہ میں کپڑا ڈال کر پانی کو اس کپڑے میں جذب کرکے اسے دھوپ میں سکھا دو۔ اس طرح طلاق نہیں پڑے گی۔

مطالعہ کی میز پر

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

● محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی

نام کتاب: میری تمام سرگذشت (سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ)
مصنف: ڈاکٹر محمد نفیس حسن، متوسط حجم ۱۹۱ صفحات، کاغذ سفید اور قیمتی قیمت ۱۲۵ روپئے
ملنے کا پتہ:۔ ۴۵ ۲۵/ دوسری منزل، تراہا بہرام خاں، دریا گنج۔ دہلی ۲

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے قوت ونشاط کے زمانہ تک دہلی میں فراش خانہ کے اس مکان میں قیام فرمایا کرتے تھے جس میں ان کے چچازاد بھائی جناب مولانا سید ابو بکر حسنی صاحب مقیم تھے، یہ گھر حضرت کے خاندان کے افراد سے ہمیشہ آباد رہا اور یہاں آکر تمام اہل علم اعیان شہر اور طالبان علم حضرت سے ملاقات کیلئے آیا کرتے تھے۔ مولانا سید ابو بکر حسنی صاحب سے قریب ترین نوجوانوں میں اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر محمد نفیس حسن بھی تھے جو اس وقت نوجوان طالب علم تھے، بلند ڈگریاں انھوں نے بعد میں حاصل کیں مگر سب سے بڑی ڈگری، سب سے بڑا اعزاز اور دنیا وآخرت میں سرخرو رکھنے والی خوبی یہ ہوئی کہ ان کا حضرت مولانا سے عقلی، ذہنی، اور دینی اعتبار سے تعلق ہوگیا۔ حضرت کا کوئی سفر دہلی کی طرف ہوتا ان کو اطلاع دی جاتی۔ اور وہ زیادہ سے زیادہ حاضر باش رہنے کی کوشش کرتے اور جس طرح حضرت کے افراد خاندان کے نوجوان عقیدت ونیازمندی، محبت وسرگرمی کے ساتھ پیش خدمت رہتے بعینہ اسی طرح محمد نفیس حسن صاحب بھی رہا کرتے تھے۔

حضرت کی وفات (۲۲ رمضان ۱۴۲۰ھ) میں ہوئی تو اس کا اثر عالم اسلام پر جو پڑا وہ سب کو معلوم ہے، بارہ چودہ مہینے کے درمیان آپ سے متعلق بیسیوں تعزیتی جلسے، سمینار انڈونیشیا اور ملیشیا سے لیکر مراکش اور الجزائر تک ہوئے، جس کی مثال اس صدی میں نہیں ملتی سوائے اپنوں کے جو سب کچھ کہنا چاہتے ہیں مگر اب تک وہ نہیں کہہ سکے جس کو سوانح حیات کا درجہ دیا جائے۔ ڈاکٹر محمد نفیس حسن کا شمار بھی حضرت کے قریب ترین افراد میں ہے اور انہوں نے اپنی خداداد ہمت، عربی صلاحیت شاہدات، اور حضرت کے خودنوشت سوانح بعض رسائل ومجلات اور مولانا عبد اللہ عباس ندوی کی میر کارواں سے ایک مختصر لیکن جامع مجمل مگر مفصل سے بہتر ومختصر انداز میں اپنے احساسات اور معلومات کو کتابی شکل میں مرتب کیا جس پر حضرتؒ کے بھانجے اور جانشین مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب نے پیش لفظ تحریر فرمایا۔ اور مولانا عبد اللہ عباس ندوی نے اپنے رنگ میں اپنے احساسات کی ترجمانی کی اور سب سے زیادہ قابل قدر عالمانہ اور ادیبانہ مقدمہ جناب سید حامد صاحب چانسلر ہمدرد دہلی سابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے تحریر فرمایا جس میں عقیدت ومحبت کا اظہار بھی ہے۔ اور مخلصانہ خدشات کی نشاندہی بھی، جو اس کتاب کیلئے باعث زینت ہے، اس میں نہ قصیدہ خوانی ہے اور نہ وہ کیفیت خدانخواستہ پائی جاتی ہے جو کچھ لوگ اپنے اندرونی امراض قلب کی بنا پر سیاہ عینک لگا کر آفتاب کی شعاعوں کی طرف دیکھتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد نفیس حسن نے یہ مختصر سوانح لکھ کر اردو ادب کو ایک تحفہ دیا ہے، جس کی ہم سب کو قدر کرنی چاہیئے۔ اس کتاب میں اگر کوئی بات تفہیم طلب ہے تو یہ کہ کتاب کا نام کچھ ایسا ہے جس سے پہلی نظر میں کتاب کا ٹائٹل دیکھنے والے کو یہ غلط فہمی ہوگی کہ یہ مولانا کی خودنوشت سوانح ہے حالانکہ یہ تالیف ڈاکٹر نفیس حسن صاحب کی ہے، سید حامد صاحب نے اس کو تصنیف قرار دیا ہے، جس کا کوئی علمی سبب ہوگا۔ یا کوئی بہت گہرا ربط انہوں نے پایا ہوگا ورنہ درحقیقت کاروان زندگی میر کارواں، اور بعض رسائل کے اقتباسات سے یہ کتاب قابلیت کے ساتھ تالیف کی گئی۔ کتاب کا نام جیسا کہ اوپر عرض کیا اگر صرف "تمام سرگذشت" یعنی "میری" اس عنوان سے نکال دیا جاتا تو زیادہ معنویت پیدا ہو جاتی۔ اور غلط فہمی نہ ہوتی۔

خدا کرے کہ ڈاکٹر محمد نفیس حسن اپنے ادبی کاوشوں کو بڑھاتے رہیں۔
اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

> انسان کو بناتا ہے اکمل مطالعہ
> ہے چشم دل کے واسطے کاجل مطالعہ

(بقیہ)
اندھیرے میں روشنی کی کرن

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغاموں کا اعلان کرتی ہیں تو ان اذانوں کی اگر ضرورت ہے تو موذن کی بھی ضرورت ہے۔ آپ حضرات جب موذن رکھتے ہیں تو کیا اس کو کھانے کو نہیں دیتے؟ عزت سے نہیں رکھتے؟ چھوٹی سی تنخواہ کا انتظام نہیں کرتے؟ اسی طرح اللہ کو اگر اس ملک میں موذن رکھنا ہے تو وہ اپنے شایان شان بندوبست فرمائیں گے۔ اس کی عزت بھی دوسری ہے۔ اس کی حفاظت بھی دوسری ہے۔ اس کا معاش اور رزق بھی دوسرا ہے۔ اس کی ہر چیز زیادہ وسیع، زیادہ پائیدار، زیادہ قابل اطمینان اور زیادہ مستحکم ہے۔

ایک بات تو یہ ہے جو میں کہنا چاہتا ہوں، خاص طور پر کلکتہ، ممبئی، مدراس اور ایسے ہی دوسرے مرکزی مقامات پر یہ بات کہنے کی ضرورت ہے۔ دوسری بات نامکمل رہے گی۔ بالکل تشنہ رہے گی۔ بلکہ ممکن ہے غلط اعتماد پیدا ہو۔ اس کے ساتھ اگر میں دوسری بات نہ کہوں، وہ یہ کہ جس چیز میں آپ کی حفاظت کا راز ہے اس راز کو سمجھ لیجئے۔ ہوشیار پرندہ وہ ہوتا ہے جو اپنے آشیانے کو دیکھتا رہتا ہے اور جس شاخ پر اس نے آشیانہ لگایا ہے وہ شاخ شاخ نازک تو نہیں ہے؟ ٹوٹ تو نہیں رہی ہے؟ اس پر تیشہ تو نہیں چل رہا ہے؟ باغباں اس کو کاٹ تو نہیں رہا ہے؟ نادان سے نادان پرندہ بھی دیکھتا رہتا ہے کہ جس شاخ پر اس نے گھونسلہ لگایا ہے بچوں کو بسایا ہے وہ شاخ قائم بھی ہے یا نہیں؟

آپ کی زندگی کا آشیانہ جس شاخ پر ہے وہ شاخ آپ کی افادیت ہے۔ آپ کا پیغام ہے۔ دین کے ساتھ انسانیت کے ساتھ آپ کا تعلق ہے۔ اس ملک کی آبادی کیلئے آپ کی زندگی کا مفید ہونا ہے۔ مقصد کے ماتحت آپ کی زندگی کا اس ملک میں گزرنا ہے۔ آپ کے مال سے۔ کارخانوں اور فیکٹریوں سے۔ تجربوں اور محنتوں سے۔ اس مقصد کا پورا ہونا ہے۔ اگر آپ ہیں اور وہ مقصد نہیں ہے۔ یا آپ ہیں اور وہ مقصد پورا نہیں ہو رہا ہے آپ ہیں اور اس ملک کے لئے مفید نہیں ہیں کوئی خاص پیغام اس آبادی کو نہیں دے رہے ہیں، بالکل گم ہو گئے ہیں، جو دھارا بہہ رہا تھا یہاں حیوانی زندگی کا دھارا، پیٹ پالنے کا دھارا۔ اسی میں آپ نے بھی اپنے آپ کو پوری طرح ڈال دیا ہے۔ بے عذر تنکے کی طرح حوالے کر دیا ہے، زندگی کا مقصد یہی بنا دیا ہے، دکانیں قائم ہوئیں، ملیں کھولیں، اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ کا منظر آپ کا بھی ہو۔ رَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا کا نقشہ آپ کا بھی ہو۔ دنیا کی زندگی پر بالکل راضی مست کچھ اور نہیں چاہیئے۔

پس اگر زندگی کا یہی نقشہ آپ کا بھی بن جائے، تو وہ شاخ محفوظ نہیں ہے جس پر آپ کی زندگی کا آشیانہ ہے۔ اور وہ شرط پوری نہیں ہو رہی ہے جس پر نہ صرف یہاں، بلکہ ہر جگہ آپ کی حفاظت کا وعدہ ہے صاف صاف کہا ہے:

"لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ"

سست مت پڑو ہمت نہ ہارو اور غم نہ کرو تم ہی سربلند ہوگے۔ اگر ایمان کی صفت رکھتے ہو۔

پروفیسر محمد یونس نگرامی ندوی کا حادثۂ وفات

۱۰ مارچ کا تعمیر حیات پریس میں ہی تھا کہ اچانک پروفیسر محمد یونس نگرامی ندوی جو بڑے متحرک وفعال، ملی اور ملکی مسائل سے ایک محب وطن کی حیثیت سے پوری دلچسپی رکھتے تھے، ۴ مارچ ۲۰۰۱ء کو انتقال فرما گئے۔ انا للہ و إنا الیہ راجعون

وہ علیل تو عرصہ سے چل رہے تھے لیکن ہمت وحوصلہ کے مالک تھے، برابر کام کرتے رہتے تھے تنشیط وحشاش بشاش رہا کرتے تھے ادھر ایک ہفتہ سے طبیعت زیادہ خراب ہوئی اور پی جی آئی میں داخل کئے گئے مگر صحت سنبھل نہ سکی اور آخری وقت آگیا۔ انتقال سے چند گھنٹے قبل گھر لائے گئے اور ۴ مارچ صبح ۱۰ بج کر ۱۸ منٹ پر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ مرحوم دار العلوم ندوۃ العلماء کے سابق شیخ التفسیر مولانا محمد اویس صاحب ندوی مرحوم کے فرزند ارجمند تھے۔ تفصیل آئندہ شمارہ میں پیش کی جائے گی۔

مختصر عالمی خبریں

معید اشرف ندوی

● رابطہ عالم اسلامی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ امت اسلامیہ کو درپیش مسائل اور مشکلات کے حل کیلئے پروگرام تشکیل دیتی رہتی ہے جن میں مفکرین اور اہل علم لوگ شریک ہو کر ان مسائل کے حل کے بارے میں غور وفکر کرتے ہیں ہر سال حج کے موقع پر رابطہ عالم اسلامی کی دعوت پر بہت سے علماء، اور اہل علم جب مکہ مکرمہ حاضری دیتے ہیں تو اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رابطہ کی انتظامیہ امت اسلامیہ کی درپیش مشکلات کو دور کرنے کیلئے ان سے تجاویز طلب کرتی ہے۔

حج کے موقع ترتیب دیئے گئے پروگراموں کی منظوری شاہ فہد بن عبد العزیز دیتے ہیں اور ان کی موافقت کے بعد ان کا اعلان کیا جاتا ہے ایسے ہی پروگراموں میں سے ایک پروگرام اس سال حج کے موقع پر بھی ترتیب دیا گیا ہے جس کی منظوری ملک فہد بن عبد العزیز کی طرف سے مل چکی ہے۔

رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سکریٹری جناب ڈاکٹر عبداللہ الصالح العبید نے ملک فہد بن عبد العزیز کے لئے اس بات پر ممنونیت کا اظہار کیا ہے کہ انھوں نے ۱۴۲۱ھ میں حج کے موقع پر "امت اسلامیہ اور گلوبلائزیشن" کے موضوع پر ایک اہم کانفرنس کے انعقاد کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔

رابطہ کی زیر نگرانی منعقد ہونے والی یہ چوتھی کانفرنس ہے جس کا موضوع "امت اسلامیہ اور گلوبلائزیشن" رکھا گیا ہے۔ جس میں بڑے بڑے مفکرین، علماء اور اہل علم وفضل شرکت فرمائیں گے۔

اس کانفرنس میں جو مسائل زیر بحث پیش آئیں گے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ شریعت اسلامیہ کا نفاذ اور دعوت اسلامی
۲۔ امت اسلامیہ کے موجودہ حالات وواقعات۔
۳۔ موجودہ دور کی ضرورتیں۔
۴۔ دینی تعلیم وتربیت اور گلوبلائزیشن۔
۵۔ مسلمان خاتون کے حالات۔
۶۔ مسلمان عورت کی زندگی میں تبدیلیاں
۷۔ مساجد کی آبادکاری
۸۔ مسلمان اقلیات کا تعاون۔
۹۔ مسلمان اقلیات کا ماحول اور معاشرہ۔
۱۰۔ جدید مسائل کا اسلامی حل۔
۱۱۔ مسلمانوں کو درپیش مشکلات کا اسلامی حل۔
۱۲۔ جدید مسائل اور اسلام۔

ڈاکٹر عبداللہ الصالح العبید نے اپنے پیغام میں بتایا کہ "امت اسلامیہ اور گلوبلائزیشن" کے موضوع پر ہونے والی اس کانفرنس میں مسلمان حکومتوں کیلئے آپس میں رابطہ تیز کرنے کے لئے بھی سفارشات تیار کی جائیں گی۔ تاکہ اسلامی حکومتیں آپس میں مل بیٹھ کر مشترکہ لائحہ عمل تیار کریں۔

● سعودی عرب نے ایران کے ساتھ دفاعی معاہدہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ اسلامی ملکوں کے درمیان قریبی تعلقات کو فروغ دیا جاسکے۔ سعودی عرب کے وزیر داخلہ شہزادہ نائیف نے کہا کہ سعودی عرب اور ایران کے درمیان جلد معاہدہ طے پا جائے گا۔ شہزادہ نائیف نے سعودی پریس ایجنسی کو بتایا کہ دونوں ملکوں کے درمیان اس دفاعی معاہدے پر اس سال حج سے پہلے دستخط ہو جائیں گے انھوں نے کہا کہ اس معاہدہ پر دستخط کی تاریخ کے تعین کیلئے ایرانی حکومت سے رابطہ قائم ہے، اس معاہدے کا مقصد علاقائی اور دفاعی معاہدے کے علاوہ جرائم دہشت گردی اور منشیات کی اسمگلنگ کے خلاف مشترکہ حکمت عملی اختیار کرنا ہے۔ سعودی عرب اور ایران کے درمیان دفاعی معاہدے کی تیاری کو خصوصی اہمیت دی جا رہی ہے۔

● لندن (ریڈیو رپورٹ) امریکا کو جو انسانی حقوق کا عالمی حمایت والا کہلاتا ہے۔ اقوام متحدہ کے آزاد ماہرین کے پینل نے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا مجرم گردانا ہے بی.بی.سی کے مطابق پینل نے کہا ہے کہ اذیت رسانی سے متعلق اقوام متحدہ کے کنونشن کی امریکا شاید ہی پاسداری کرتا ہے۔ پینل کے مطابق دنیا میں سب سے زیادہ لوگ امریکا میں گرفتار کئے جاتے ہیں تقریباً ۲۰ لاکھ مرد وزن اور بچے امریکی جیلوں میں بند ہیں جنھیں کنٹرول میں رکھنے کے لئے بجلی کے جھٹکوں یا کیمیائی ادویات کا استعمال کرایا جاتا ہے جو نہایت ہی افسوسناک ہے انھوں نے کہا کہ امریکا ایسا ملک ہے جو دوسرے ملکوں کو عالمی کنونشن کا پابند رہنے کا سبق تو دیتا ہے لیکن خود دوہرا معیار اپنانے کی واحد مثال ہے۔

دعائے مغفرت

دار العلوم ندوۃ العلماء کے درجہ عالیہ ثانیہ کے طالب علم محمد صہیب صدیقی کی والدہ محترمہ کا ۲۲ فروری ۲۰۰۱ء بروز ... کو فتح پور ہنسوا میں انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

جب کنیڈین لڑکی کا دل ایمان کی حلاوت سے سرشار ہو گیا

تحریر:۔ سلمان بن محمد عمری
ترجمہ: سید مسعود حسن حسنی

کسی بھی نوجوان لڑکے یا لڑکی کے اسلام قبول کرنے کی خبر باعث مسرت ہوتی ہے، لیکن اس مسرت میں اس وقت مزید اضافہ ہو جاتا ہے جب یہ معلوم ہو کہ وہ مسلمان ہونے والا اللہ کے حکم سے صرف مسلمان ہی نہیں ہوا ہے بلکہ داعی بھی بن گیا۔

لندن سے نکلنے والے ایک اخبار نے ایک کنیڈین لڑکی کا جس نے ۲۲ ستمبر ۱۹۹۶ء کو اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا تھا قصہ شائع کیا ہے جس میں اس نے اپنے اسلام قبول کرنے کی داستان سنائی ہے کہ کس طرح اس نے سعودی عرب کے شہر تبوک کے فوجی اسپتال میں ۱۹۹۶ء میں اسلام قبول کیا۔

جو قصہ اخبار میں بیان کیا گیا ہے وہ انسان کے اندر شوق پیدا کرنے والا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی یاد دلاتا ہے "کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ ایک آدمی کو بھی راہ راست پر لے آئے تو وہ تمہارے لئے سرخ اونٹ سے بھی بہتر ہے۔

حقیقت میں ہدایت اور دعوت کا کام بڑا عظیم کام ہے اور اس کا شرف جس کو حاصل ہو اس کے لئے وہ بہت بڑا شرف وانعام ہے داعی کی زندگی بڑی خوشگوار زندگی ہے، ہم الحمد للہ مسلمان معاشرہ میں اور اللہ کے دین کے ماحول میں اسلامی حکومت کے سایہ میں زندگی گذار رہے ہیں، اور یہاں بہت سی ایسی نعمتیں ہیں جن کو شمار نہیں کیا جاسکتا، اور اسی طرح جس راحت کی زندگی ہم گذار رہے ہیں انہیں بھی شمار نہیں کیا جاسکتا، اور ان راحتوں اور آسائشوں میں ہم ایسے منہمک ہیں کہ ہمیں اس کی فکر ہی نہیں ہے کہ ہماری زندگی اس مسلم معاشرہ میں گزر رہی ہے جس پر شریعت اسلامیہ کا انطباق ہوتا ہے، یہ سماج اپنی اسلامی خصوصیات کے ساتھ خود اسلام کی دعوت دینے والا ہے۔ اور باہر سے جو لوگ آتے ہیں ان کے لئے یہ تصویر اور یہ حقیقت متاثر کن ہوتی ہے اس کی وجہ سے بعد میں وہ سچے اور مخلص مسلمان ہو کر حق کا داعیانہ کردار ادا کرتے ہیں۔

میں نے اس نوجوان لڑکی میں اطاعت اور ایمان کی چاشنی پائی ہے (محسوس کی ہے) اور وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کا صحیح طور پر نفاذ چاہتی ہے اور اللہ سے قریب ہونے کی ضرورت کا اس میں احساس ہے، نیز اطمینان اور پائیداری کی تلاش میں میں نے اسے سرگرداں پایا ہے۔ جب سے اس نے اسلام کا اعلان کیا ہے اسے بہت سے تجربات کا سامنا کرنا پڑا ہے اور اس نے اپنے دعوتی سفر کی ابتدا اپنے اہل معاشرہ ہی سے کی ہے۔ اس لڑکی کے اسلام قبول کرنے میں جس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے سرفراز فرمایا ہے، اسلامی زندگی کا حصہ رہا ہے۔ اس نے متعدد تاریخی مساجد کی زیارت کی، ان میں دمشق کی الجامع الاموی، بھی ہے جس کی زیارت نے اس کے اندر اسلام سے واقفیت حاصل کرنے میں دلچسپی پیدا کی، اور اس نقطہ کو ہمیں نہ ہی بھلانا چاہئے، اور نہ ہی اس سے غفلت برتنی چاہئے مسجدیں خود دعوت کا ذریعہ ہیں، دنیا کے تمام گوشوں میں اس کے بنانے کا اہتمام کرنا چاہئے کیونکہ نفوس میں اس کا گہرا اثر ہوتا ہے۔

یہاں پر نو مسلمہ مریم فیشر نے ایک نقطہ کی طرف اشارہ کیا ہے، مریم فیشر اس کنیڈین لڑکی کا نام ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ اسلام سے دلچسپی میں اہم نقطہ مسلمانوں کا نیویارک کے ایئرپورٹ پر نماز کا ادا کرنا ہے اس نے زور دیکر یہ کہا کہ اس کا (اس منظر نے) اس پر بہت گہرا اثر ڈالا اس نے بتایا کہ اذان کے سننے سے اس کے آنسو جاری ہو جاتے تھے، یہ سیاق ہمیں بتاتا ہے کہ اسلامی زندگی جس وقت بھی اس کے اصول وضوابط کے مطابق ہم گذاریں گے چاہے ہم یہاں ہوں یا کہیں بھی ہوں وہ حق کی دعوت کا ذریعہ بنے گی۔

مریم کا کہنا ہے کہ حرم مکی میں تراویح کی نماز کا شاہدہ انسانی زندگی پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتا ہے اسی طرح ہندوستان میں مسلمان لڑکیاں جب قرآن پڑھتی ہیں تو وہ منظر بڑا ہی متاثر کن ہوتا ہے۔ یہ سب ایسے نکات ہیں جن پر ہمیں عمل پیرا ہونا چاہئے۔ اور اس کی اہمیت اور اس کی تعلیم کو عام کرنا چاہئے۔ کنیڈین لڑکی کا قصہ بہت سے قصوں میں سے ایک ہے، دعوتی عمل کے پیش نظر اس کی فکر بھی کرنی چاہئے، اور اس پر غور وخوض بھی کرنا چاہئے۔ (بشکریہ العالم الاسلامی)

دعائے مغفرت

دار العلوم ندوۃ العلماء کے طالب علم عزیز احمد بستوی کے والد ماجد حاجی غلام حضرت صاحب ۱۱ فروری ۲۰۰۱ء مطابق ۱۶ ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ کو تقریباً ۷۵ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا (انا للہ وانا الیہ راجعون) اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے۔ قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔